سلسلہ مطبوعات عصمت نمبر ۱

نسوانی زندگی

تصنیف

مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ

جسے

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے

عصمت بک ایجنسی دہلی سے شائع کیا

تیسری مرتبہ

جولائی ۱۹۳۵

قیمت آٹھ آنے

مصوّرِ غم حضرت علامہ **راشد الخیری** مد ظلہ کے رسالے

جنھیں مسٹر رازق الخیری ایڈٹ کرتے ھیں

عصمت دھلی

ہندوستان بھر کے تمام زنانہ اخبارات و رسائل میں سب سے اچھا اور سب سے زیادہ چھپنے والا مشہور و معروف باتصویر ماہوار رسالہ ۲۷ سال سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے عصمت تمام اُردو رسالوں سے زیادہ تصاویر اور ملک کی بہترین لکھنے والی خواتین کے اعلیٰ درجہ کے مضامین ۸۰ صفحوں پر ہر ماہ شائع کرتا ہے عصمت ہی وہ رسالہ ہے جو صوری و معنوی خوبیوں کے لحاظ سے شریف بیگمات کے لئے ہندوستان کا چوٹی کا رسالہ سمجھا جاتا ہے۔

سالانہ چندہ قسم اوّل پانچ روپے

قسم دوم معمولی کاغذ تین روپے

بنات دھلی

مسلمان بچیوں کے لئے نہایت مفید اور دلچسپ رسالہ جس کی زبان اتنی آسان ہوتی ہے کہ دس گیارہ برس کی بچیاں بھی سمجھ سکیں نہایت دلچسپ کہانیاں اور مفید مضامین ہر ماہ شائع کئے جاتے ہیں بچیاں بڑے شوق سے بنات کا مطالعہ کرتی ہیں عصمت کے علاوہ صرف یہی پرچہ ہے جس میں حضرت علامہ راشد الخیری قبلہ ہر ماہ بیش بہا مضامین تحریر فرماتے ہیں۔ بنات کا مقصد مسلمان بچیوں میں مذہبیت پیدا کرنا ہے۔ چندہ سالانہ ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر۔ اور بذریعہ وی پی ایک روپیہ چار آنے۔

مینجر عصمت و بنات کوچہ چیلان دھلی

نسوانی زندگی

فہرست

مامتا

افروز کا بچپن قرنوں یا صدیوں کا ذکر نہیں کل کی بات ہے۔ کہنے کو اٹھارہ سال گذر گئے، اور آج وہ بالشت بھر کی چھوکری گھر کی گھر والی بچوں کی ما۔ اور میاں کی بیوی سب کچھ ہے، مگر ہماری نظر کا ابتدائی حصہ اس کے گلشن حیات میں اس کی وہ حالت بیان کرتا ہے جب یہ ننھی سی کلی ماں کی گود۔ اور دایہ کے آغوش میں خاموش پڑی تھی اس کے باپ مرزا محمد تقی کا انقلاب ممکن الوقوع تھا۔ اور ہوا، مگر غیر معمولی تھا اس لیے تعجب انگیز نہیں ہم نے مرزا کا وہ دورہ اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ روپوں کی جھنکار اور اشرفیوں کی بھرمار سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی؛ اور وہ وقت بھی کہ جہاں قدم رکھنے میں پاؤں انگل انگل بھر ریشم اور اُون میں دھنس جاتے تھے، وہاں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر اور خاک کے انبار پر کوئی جھاڑو تک دینے والا نہ تھا! فسانۂ حیات دنیا، سلطنتوں کی تباہی اور خاندانوں کی بربادی سے

لبریز ہو، بغداد کا جگر خراش حشر اور نصر نوشیرواں کا عبرت انگیز انجام
درست اور بجا۔ مگر سلطنت مغلیہ کا زوال جس نے حکومت کو ذلت سے
بدل کر بیگموں کو در در کی بھیک منگوادی اور شہزادوں کو دو دو دانوں
کو محتاج بنا دیا۔ نظر انداز ہونے کے قابل نہیں، نقی اسی انقلاب دہر کا
شکار ہوا۔ ایک وہ کیا نہ معلوم اس کے ساتھ کتنے ماؤں کے لال پامال
ہوئے، مصیبت اگر راحت و عشرت تک محدود رہتی تو بھی غنیمت تھی
نقی کم بخت کے ساتھ وقت نے ایک ایسا سلوک کیا۔ کہ خیال سے بدن
کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، افروز سے بڑے اور دو لڑکے تھے۔ مگر وہ
تو ایسے سیدھے اور اتنے بے وقوف کہ عین حملہ کے وقت جب قتل
کا میدان گرم اور ست ہی ست پر جان بنی تھی لاشوں کے تماشے کی سوجھی
باپ غریب کی روح فنا اور ماں بدنصیب کا خون خشک ہو رہا تھا۔
دھواں دھوں کی آواز نے قیامت برپا کر رکھی تھی۔ گورے چیونٹیوں
کی طرح سڑکوں پر پھر رہے تھے، بچوں کو جاتے دیکھ کر ہوش اڑ گئے،
ہر چند دونوں کو دونوں نے منع کیا، سمجھایا، منت کی، خوشامد کی۔ مگر جوانی کا
زور اور حکومت کا نشہ دماغوں میں سمایا ہوا تھا، خاک نہ سنتی اور نکل
کھڑے ہوئے، نقی اور اس سے بہت زیادہ اس کی بیوی یعنی لڑکوں کی ماں کے
واسطے یہ وقت عجیب مصیبت کا تھا جب کوشش بے کار اور سمجھانا بے سود
رہا، تو اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ستم رسیدہ باپ دیدہ و دانستہ بچوں
کی آگ میں خود بھی کود ے، اور جوان شیروں کو گھر سے تنہا رخصت نہ کرے،

موت یقینی اور تباہی ظاہر تھی، آگے آگے لڑکے اور پیچھے پیچھے باپ تینوں باہر آئے. تھی اگر اس موقعہ پر لڑکوں کے ساتھ قتل ہو جاتا، تو ہماری رائے میں اس کی موت شہزادی کی عصمت کی قربانی ہوتی، اور یہ سودا یقیناً گراں نہ تھا، وہ اگر ذرہ بھر بھی ساتھ جانے میں تامل کرتا۔ تو ماسنا کی ماری ماں تعجب نہیں خود ساتھ جاتی اور تعجب کیا؛ جاتی اور ضرور جاتی۔ اس نے اب بھی اپنی کوشش میں کسر نہ کی، روئی پیٹی، چیخی چلائی، اور جب یہ دیکھ لیا، سمجھ لیا، اور یقین کر لیا، کہ باپ کی حفاظت مجھ سے کم نہیں، تب جاکر خاموش ہوئی۔

بارہ برس کی جان افروز اور ماں دو عورتیں گھر کے اندر تھیں استر برس کا بڈھا تھی اور دو لڑکے گھر سے باہر، گلی اور کوچے سڑکیں، اور بازار لاشوں سے پٹے پڑے تھے، ہُو کا میدان تھا، اور عالم سنسان، کہ سانس تک کی آواز نہ تھی، خلقت بھرے پُرے گھر چھوڑ چھاڑ جدھر جس کا منہ اٹھا بھاگ چکی تھی، جو رہ گئے تھے، وہ گھروں اور دالانوں میں نہیں، کونوں اور کھدروں میں دبکے دبکائے خاموش پڑے تھے، آدمی نہ آدم زاد جہاں تک نظر جاتی تھی میدان صاف تھا لڑکے چھُریاں ہاتھ میں لئے اِدہر اُدہر دیکھتے بھالتے چلے جا رہے تھے اور بڈھا تھی اس خیال سے کہ کہیں بچے مجھے نہ دیکھ لیں۔ دبے پاؤں تھمتا، ٹہرتا، رُکتا، ٹھٹکتا، ان کے ساتھ تھا۔ پن چکیوں سے آگے نکلکر اس سڑک پر جہاں اب ڈاک خانہ ہے دونو ٹھہرے اور باتیں کرنے لگے۔ کہ سامنے سے گوروں کا جھلڑ کا جھلڑ آتا دکھائی دیا، آگے آگے ایک افسر

گھوڑے پر سوار تھا اور اس کے پیچھے بہ مسلح دستہ دن بھر کے قتل عام اور زخمیوں کی گریہ وزاری سے گورے بھی تھک اور اکتا چکے تھے اور یہ سمجھ لیا تھا کہ مفسدوں کو کافی سزا مل چکی مگر بے وقوفوں کی عقل دیکھئے کہ دوتے چھریاں نکال پینترے بدل رہے اب باغی ہونے میں کیا دیر اور مفسد بننے میں کونسی کسر تھی، قتل افسر کی زبان پر تھا۔ مگر وقت کی بات تھی، کہ انہوں نے دونوں کو زندہ گرفتار کر لیا، مرزا نے یہ سماں اپنی آنکھ سے دیکھا گرفتاری کا نتیجہ سامنے تھا، چاہا کہ اُلٹے پاؤں گھر لوٹوں، عورتوں کی ناموس تو محفوظ رہے گی، مگر شفقت پدری زنجیر بن کر پاؤں میں پڑی، آگے بڑھا چاہتا تھا۔ گوروں کے افسر نے دیکھ تو لیا، مگر کہا کچھ نہیں۔

کہتے ہیں کہ گوروں نے ظلم کیا، کہا جاتا ہے، کہ تلنگوں نے زیادتیاں کیں، گورے ظالم ہوں یا کالے، مگر ہماری رائے میں سب سے بڑا ظلم اس موقعہ پر ان مکار مخبروں کا تھا، جنہوں نے حکام کو خوش کرنے کے واسطے جھوٹی شہادتیں دیں، اور ایک دو نہیں سینکڑوں بے گناہوں کو جمنا کے کنارے پھانسیاں دلوادیں۔

نقی رات کو تو آکر گھر پڑ رہا۔ مگر صبح چار ہی بجے سے مقتل میں جا موجود ہوا، یہاں اتنی دیر میں شہادت اور فیصلہ سب ہو ہوا پھانسی کا حکم کبھی کا ہو چکا تھا۔ دیکھتا کیا ہے، کہ خفیقی ہم زلف نہایت عمدہ صاف شفاف اُجلے کپڑے پہنے، چھڑی ہاتھ میں لئے صاحب کے ساتھ ٹہل رہے ہیں اور انسانی زندگی کا فیصلہ صرف چھڑی کے ایک اشارے پر ہے۔ نقی اپنی لگی

میں آگے بڑھا، اور ان کی منت شروع کی، ہم زلف صاحب نے کچھ دیر
تک تو جواب ہی نہ دیا اور پھر مسکرا کر بولے۔

"بھائی صاحب اسی کو غنیمت سمجھئے کہ آپ کی جان بچ گئی، بھاگ گئے
ورنہ آپ بھی لڑکوں کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں،" اتنا کہہ کر، مخبر تھے ہم زلف
تھے، ملک الموت تھے، جو صاحب بھی تھے، موچھوں پر تاؤ دیتے آگے
بڑھ گئے، اور پسپائیاں ہوگئیں۔

بڑھا تقی دونوں بچوں کی لاشیں اٹھانی چاہتا تھا، مگر بدنصیب کو یہ
بھی نصیب نہ ہوا، اور دریا میں پھینکدی گئیں،

تقدیر نے اسی پر بس نہ کیا۔ معاملہ رفع دفع ہونے پر جب امی جمی
ہو چکی ہے ان ہی نعلی گھونسہ کی بدولت جو اس وقت سرکار کے نام کے عاشق
اور اول درجہ کے خیر خواہ تھے، جائداد املاک سب ضبط ہوئی، تقی کی
چھوٹی سالی خجستہ، اس انقلاب سے قبل گو رشتہ اور تعلق کے اعتبار سے
سطح زندگی پر اپنی بڑی بہن افروز کی ماں اور تقی کی بیوی سے باعتبار تمول
چنداں کم نہ تھی۔ مگر ولی عہد سلطنت مغلیہ نے چونکہ تقی کے بڑے مقتول
لڑکے کا دودھ پیا تھا۔ اس لئے خاندان کی یہ شاخ بلحاظ اعزاز و اکرام مخبر
اور اس کی بیوی سے بہت بڑھی چڑھی تھی، اور یہ ایک ایسا کانٹا تھا جو
میاں اور بیوی کیا ان کے بچے بچے کو کھٹک رہا تھا۔ بدلہ لینے کا اس سے اچھا
موقعہ، ذلیل کرنے کا اس سے بہتر وقت، کانٹا اس نکالنے کی اس سے نادر صورت
اور کیا ہو سکتی تھی، ہم رشتہ ناتا تعلق محبت سب پر خاک ڈال کر بھی

دیکھتے ہیں، تو افسوس، بلکہ افسوس کیا رنج، اور صدمہ ہوتا ہے، کہ حقیقی بہن، اور سگے بہنوئی کے خون ایسے سفید ہوئے کہ دو کڑیل جوان خاک میں ملا کر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا، محبت نہ سہی، انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔ لڑکوں کی موت ایسا کاری زخم تھا۔ کہ ساری عمر رستا دنیا اندھیر اور زندگی برباد ہو چکی تھی، اب اس زخم پر کچوکے اس اندھیر پر ستم، اس بربادی پر قیامت، یہ دوسرا چرکا تھا۔ جس نے مصیبت ماؤں کی رہی سہی کمر توڑ دی، جن ہاتھوں میں زر و جواہر کی ریل پیل تھی وہ مٹھی مٹھی بھر چنوں کو ترسنے لگے۔

انسان مرے یا جیے، مصیبت ہو یا راحت، جس طرح قدرت کے قانون دنیا کی کسی حالت سے واسطہ نہیں رکھتے، اسی طرح قدرت کی ضرورتیں بھی کیفیت انسانی سے بے تعلق ہیں اس وقت اس آفت اور مصیبت میں کہ تین دم، میاں، بیوی اور لڑکی اور تینوں کا یہ حال کہ پیٹ کو ٹکڑا نہ تن کو چیتھڑا، دنیا کی آبادی میں ایک انسان کا اور اضافہ ہوا واہ رے قدرت تیرے انتظام، سچ پوچھو، تو یہ خدمت پوری مصیبت تھی، مگر ستر برس کا نقی اس خیال سے خوش تھا کہ لڑکا بڑا ہو کر دونو بھائیوں کا نعم البدل ہوگا اور کچھ اسی عقلمند پر موقوف نہیں، بیوی میاں سے زیادہ خوش تھی۔

(۲)

نظام الدین کی سترہویں، جمعرات کا روز اور جمعرات بھی نوچندی،

خلقت ٹوٹ رہی تھی، باوجود سواریوں کے خاص انتظام کے دلّی دروازہ سے درگاہ تک سڑک آدمیوں سے پٹی پڑی تھی، سترہویں کیا خاصا دھوم دھام کا میلا تھا، سیلانیوں کی یہ کیفیت کہ تل دھرنے کو جگہ نہیں، رونق کا یہ حال کہ قطب کی ایسی ویسی سیر گرد، کسبیاں بن ٹھن کر، ڈوم تن تنا کر پہلوان اکڑا اکڑا کر، کارچوبی ٹوپیاں وصلی کی جوتیاں، کندھوں پر خوشبودار چادرہ منہ میں الائچی دار پان، تانگوں میں اور گاڑیوں میں یکوں میں اور پیدل بھاگم بھاگ چلے جارہے تھے؛

سیاح قدرت کو ان بے حمیت چہروں میں بربادی اسلام کے اسباب صاف نظر آتے تھے، دو چار دس بیس نہیں، ان میں سینکڑوں ایسے تھے جنہوں نے معصوم بچوں کو بھوکا سُلا کر میلہ منایا، بدنصیب بیویوں پر فاقے ڈالے اور آپ خستہ کچوریاں اور کباب اڑائے، قرض لیا، کام کیا، زیور بیچا، برتن رکھے۔ لیکن سترہویں ہاتھ سے نہ دی۔

جاڑے کے موسم میں صبح کا سہانا وقت تھا؛ کہ ایک بڈھا سر پر پانوں کا چھبا رکھے، چونے کا کلیاں، چھالیہ، الائچی کی بوتلیں لئے اپنی بساط کے موافق اڑا چلا جارہا ہے ایک مظلوم کی حالت کو تماشہ سمجھنے والی آنکھیں اسلام میں روشن رہنے سے پھوٹ جاتی بہتر درست اور بجا۔ مگر جب ایک بدنصیب قوم اپنا تماشہ تمام دنیا کو علی الاعلان دکھائے تو دیکھنے والوں پر کیا گناہ اپنا دام کھوٹا پرکھنے والے کا کیا دوش، فاتح قوم کا ایک فرد جس کے پہلو میں ایک مہ جبین بھی تھی، ٹمٹم اڑائے سرپٹ جارہا تھا، سائیس نے بڈھے

کو ایک آواز دی، دو دیں، تین دیں، چار دیں، یہاں اوّل تو قدرتی بٹیاں اس پر عمر کا تقاضا اور درد تو بہر طرہ مفلسی کی حکومت، افکار کی مصیبت، خاک نہ سُن سکا۔ اور چلے گیا، ایک نخوہ ہندوستانی اور پھر مسلمان، بغیر سمجھے اور بلا پوچھے، حق کیا کہنا تھا، کہ گھوڑے کی رفتار میں فرق ڈالے اور سزا نہ پائے۔ سڑک اس کے باپ کی نہیں دادا کی نہیں؛ صاحب بہادر آگ بگولا ہو گئے، پھر بھی خدا ان کو رہتی دنیا تک رکھے بڈھے کی جان بخشی کی۔ اور صرف اتنی سزا دی کہ پیٹھ پر سٹراسٹر دو ہنٹر لگا کر اسی ہنٹر سے چھبا الٹ چلتے ہوئے۔

پیٹھ پر پڑے ہنٹر، اور سر سے گرا چھبا، تماشائیوں کا ٹھٹ لگ گیا، اور ٹھٹے مارنے شروع کئے، بدنصیب بڈھا کبھی کمر کی چوٹ سہلاتا تھا کبھی کلیجہ کا داغ، بوتلوں کے ٹکڑے، آئینہ کی کرچیاں، پچکی ہوئی کلیاں، ٹوٹا ہوا چھبا بکھرے ہوئے پان سمیٹ سماٹ کچھ جھولی میں، بہرے، کچھ ہاتھ میں لئے اٹھا، اور ایک کونہ میں چپکا جا درخت کے نیچے ہو بیٹھا۔

(۴)

دوپہر کا سنسان وقت ہے۔ پُرانے قلعہ کی فصیل کے مسمار کنگرے مسلمانوں کی یہ مصنوعی چہل پہل دیکھ کر اسلام کی شوکت گذشتہ کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں، بڈھا ایک کیکر کے درخت کے نیچے گم سم بیٹھا ہے۔ کتری ہوئی چھالیہ میں برابر کی مٹی۔ اور کتھے چونے میں آدھے سے زیادہ خاک مل گئی،

اپنی بدنصیبی پر آنسوؤں سے نہیں دل سے رو رہا ہے۔ کہ سامنے سے ایک پوربی منہی، میلی سی دھوتی اور چکٹ پگڑی باندھے آتا دکھائی دیا۔ بڈہا اپنے خیال میں غرق تھا، منہی سر پر آ پہونچا، اور پوچھا بڑے میاں جی،

"تمہارا بہت نکسان ہوا، بھیّا،

بڈہا۔ ہاں بھائی تقدیر کا لکھا،

منہی۔ سر ونہٹر واڈ السن،

بڈہا۔ حاکم ہیں جو چاہیں سو کریں، تم بھی وہاں موجود تھے،

منہی۔ ہم تو اسی بدماس کے سائیس ہیں،

بڈہا۔ یہ کون شخص ہے، کوئی فوجی معلوم ہوتا ہے۔

منہی۔ تین نمبر پلٹن کا کرنیل کہلاوت ہے، بڑے میاں جی کا کہئے ہم کھود گریب آدمی ہے، یا چار آنے کے پیسے بھیا تم لے لو۔ تمہارا بڑا نکسان ہوا"

بڈہے نے پیسے لے لئے، سائیس چلا گیا، دن کا وقت تھا، سطح آسمان چاند اور تاروں سے محروم تھی، صرف ایک آفتاب یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ چرخ نیلوفری کی ایک گردش سے ولی عہد سلطنت کا چچا زاد بھائی صاحب عالم مرزا محمد نقی ایک سائیس کے چار آنوں کو چار اشرفیوں سے زیادہ سمجھتا ہے،

ہنٹر پورے زور سے پڑے تھے، کھال ادھڑ گئی، بدھیاں اُبھر آئیں

درد نے تکلیف دی، تو اٹھا، اور گھر چلا۔ تھوڑی دور چل کر کچھ خیال آیا، اور دل ہی دل میں اس طرح باتیں کرنے لگا،

یہ کوشش بھی ختم ہوئی، اب کیا کرنا۔ کچھ نہیں، گھر جا کر کیا منہ دکھاؤں، بدنصیب بیوی، جس کے ہاتھوں میں سونا کھیلا، آج چار بجے رات سے اٹھ کر چکی پیستی ہے ننھی افروز اور چھوٹا سلیم کبھی کبھار نہیں، اکثر بھوکے سو جاتے ہیں، افروز کی آنکھیں دروازے کو لگی ہوں گی، اس کا معصوم دل خوش گوار تعلقات سے لبریز ہو گا، یہ چاندی کی آٹھوں بالیاں تقدیر پھوٹی کپڑے سی سی کر جمع کی تھیں میں نے زبردستی کانوں سے اتروائیں اور وعدہ کیا کہ دکان کا آدھا منافع میرا اور آدھا تیرا، ہنڈر دو کے بدلے چار پڑجاتے مگر اس کا ننھا سا دل تو نہ ٹوٹتا، کیا کہوں گا، اور کیا کروں گا،

بڈھا اب پھر ٹھٹکا۔ اور سوچنے لگا۔ کہ دس روپے بدلے بالیاں رکھی تھیں، اب میں تو دس برس بھی دس روپے کا مالک نہیں ہو سکتا، کیا خدا کی شان ہے، میری مصیبت پر ہنسنے والے، مسلمان تو بیس کھڑے ہو گئے مگر رونے والی آنکھ ایک نہ ملی۔ جھوٹ موٹ بھی تو کسی نے میری بپتا نہ سنی اب میں بھیک مانگنے سے رہا مگر ہائے کیا کروں درد بہت ہو رہا ہے۔ جاؤں ہلدی چونہ لگواؤں، مگر ہلدی کہاں اور چونہ کدھر زردہ کھانے والی بیوی تین تین دن خالی زردہ کھاتی ہے، پان نہ چھالیہ، اور کتھ نہ چونا،

تکلیف لحہ بہ لحہ بڑھتی گئی، اور اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ لنگی ہائے ہائے کرتا گھر پہنچا آفتاب غروب ہو چکا تھا اور افروز

شام ہوتے ہی باپ کی راہ دیکھنے بیٹھ گئی تھی، باپ کی ہائے کی آواز
کان میں پہنچنے سے قبل اس کی صورت دیکھ کر اس نے جس مسرت
کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"اے سلیم ابا جان آ گئے"

اس کا ادا کرنا مشکل، اور سلیم کا دوڑ کر آنا ابا آ گئے، ابا آ گئے،
ابا جان آ گئے، کہہ کہہ کر پاؤں میں لپٹ جانا جو معنی رکھتا ہے، اس کو صرف
بچوں والے باپ سمجھ سکتے ہیں۔

(۴)

افروز جس کی کہانی سنائی ہے اس ننھی کی بیٹی تھی، جوان ہوئی،
شادی ہوئی، باپ مرا، ماں مری، غرض جو جو کچھ دنیا میں ہوتا سب ہی
کچھ ہو گیا، اور وہ دن آیا، کہ ننھی افروز خود ننھے والی ہو گئی، وقوع
مصائب سے اندیشہ مصائب زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے، اور جس وقت
آ پڑتی ہے، اس وقت فطری طور پر قوت احساس کمزور ہو کر آدمی، اس کا
خوگر ہو جاتا ہے، کہنے کو یہ بات جگر خراش ہو، کہ افروز کا شوہر تحصیل کا ایک
معمولی محرر تھا۔ مگر جب ہو گیا تو کچھ نہ تھا، دونوں میاں بیوی اپنی حالت
میں خوش تھے۔ جب قدرت نے اس افروز کو جواب تک لڑکی کی
حیثیت سے اپنے فرائض ادا کر رہی تھی ماں بنا دیا۔ تو اس کا لڑکا سلطان
دونوں میاں بیوی کی جان تھا۔ تا قریب ہر اولاد پر فریفتہ ہوتی ہے

لیکن افروز کی محبت اس درجہ ترقی کر گئی تھی، کہ اس کی زندگی میں اس کے سامنے اس کے ہاتھوں کو اس کے پاؤں کو گھنٹوں چومتی، اور پیار کرتی۔ رات کے جاگنے سے سردی کے باعث سے کسل کے سبب سے اگر وہ ذرا وقت مقررہ پر نہ اٹھتا تو بیس دفعہ اس کا بدن ٹٹولتی اور دیکھتی۔

برسات کے موسم میں ایک روز شام کے وقت کالی گھٹا آسمان پر چھائی ہوئی تھی، اور دھوں دھار پانی پڑ رہا تھا، افروز باورچی خانہ میں بیٹھی کھانا پکا رہی تھی، اور سلطان باپ کے پاس بیٹھا کنجوں سے کھیل رہا تھا۔ کھیلتے کھیلتے یہ سوجھی کہ ماں کے پاس پہنچوں۔ بہتیرا باپ نے بھی روکا، اور ماں نے بھی منع کیا، مگر وہ کیچڑ میں چھپ چھپ کرتا بھاگتا، باورچی خانہ میں جا ہی پہنچا،

ماں روٹی ڈال رہی تھی۔ اور وہ کبھی آٹے کی چڑیاں بنا کر چولہے میں ڈال رہا تھا، کبھی مروڑیوں کی ٹکیاں پکا چکی تو اٹھی کہ برتن اور کھانا لے کر دالان میں آئے مگر پانی کا زور وہی تھا۔ چلی تو اس طرح کہ گود میں بچہ، ایک ہاتھ میں برتن دوسرے میں روٹی کی ٹوکری، ضرورت تھی کہ مرد شوہر ہاتھ بٹاتا اور کچھ نہیں تو بچہ ہی کو خود لے لیتا۔ مگر مزے سے بیٹھا سیر دیکھتا رہا، آدھی دور پہنچی ہوگی کہ پاؤں رپٹا، اور دھم سے کیچڑ میں چوٹ کم لگی یا زیادہ، کہاں لگی اور کیسی لگی، جب اس نے ہی پرواہ نہ کی۔ تو ہم کو اس کی کیا ضرورت۔ فکر صرف بچہ کا تھا، سو خدا کا شکر ہے کہ وہ اچھلتا کودتا، انگنائی سے اٹھ دالان میں آیا باپ کو چمٹ گیا، بچہ کی طرف سے

مطمئن ہوکر اور کبھی بے فکر ہوگئی اور رات کو سب پڑ کر سو گئے۔

رات کے تین بجے جب افروز سلطان کو کلیجہ سے چپٹائے بے خبر پڑی سوتی تھی، دفعتاً سلطان کسمسایا اور اس نے دو دفعہ ٹھنک کر اُنہہ اُنہہ کی بچہ کے ساتھ ہی افروز بھی اٹھ بیٹھی، اور چمکارنے لگی، اس وقت بچہ نے رو کر نہیں کچھ بسور کر آ آ اما کہا۔ ام کے ساتھ مبہم کی تشدید پر کو دونو مرتبہ اتنا کھینچا، کہ گھبرا گئی کچھ آج سلطان کا رات کو اٹھنا انوکھی بات نہ تھی وہ بارہا اٹھتا، آج تو صرف ٹھنکا، ورنہ کئی دفعہ رو دیا، چیخا، مچلا، چلایا، مگر اس نے کبھی پانی پلا کر کبھی سر سہلا کر سلا دیا، اس وقت نہ معلوم، اس ام......ما اور دونوں کے بیچ ایک اونہہ کی، ٹہنک کیا طاقت رکھتی تھی، سر، پاؤں، ہاتھ، پیٹ، سینہ سارا بدن، لپیٹ گود میں لے کر بیٹھ گئی، جوانی کی نیند رات کا آخری وقت برسات کے دن، جھونکے خود بھی آرہے تھے، مگر اس کی اذیت کے خیال سے نیند و بیدار سب اڑ گئی۔ بچہ رو اب بھی نہیں رہا تھا، مگر اسی طرح رک رک کر ام... ما.. ام..... ما کہہ رہا تھا۔

بدن دیکھتی تھی تندرستوں کا سا، پیٹ ٹٹولتی تھی، چپاتی سہ تھپکتی تھی، اذان اول کرتی تھی، مگر بچہ کی اونہہ اونہہ ختم نہ ہوتی تھی پوچھا سلطان چندا جی کیسا ہے۔

بچہ۔ اُنہہ، اُنہہ ام.... ما

ا سٹر ک ۱۲ ۱۴۔ ۱۹۳۱ ۲

• بچہ ۔اماں دلد ہوتا ہے نا گلے میں ؛

بچہ کا ہاتھ اس وقت کان کی لو کے پاس تھا۔جس کو وہ منہ سمجھ رہا تھا ، اٹھی جلدی جلدی آگ سلگائی ، روڑ گرم کیا ، اور کان سینک کر باندھ دیا ، درد کسی پھنسی یا پھوڑے کا نہیں ، ٹھنڈی ہوا کا تھا ، گرمی پہنچتے ہی ختم گیا۔اور اس خیال سے کہ پھر نہ کھڑا ہو جائے خود کھڑی ہو گئی اور کندھے سے لگا کر ٹہلنے لگی ، اور کہنے لگی ۔

" سو میرے بھولے تو سو میرے بالے ، جب لگ دیوانی ہے نیند "

" آ جا ری نندیا تو آ کیوں نہیں جاتی میرے لال کی آنکھوں میں گھل مل جا "

" آتی ہوں بیوی میں آتی ہوں ، دو چار بالے سلاتی ہوں "

یہاں تک افروز بچہ کے خیال میں غرق تھی ، اس کی آنکھ لگتی چلی تھی کان کو پہنچی گرمی ، ماکا ملا پکھوا ، اس پر لوری ، پٹ ہو گیا ، جب افروز کی زبان سے لوری کا یہ بند ادا ہو رہا تھا ۔

جا ہی پڑو گے دنیا کے دھندے   کت پالنا کت نیند

تو اس کے خیالات نے ایک پلٹا کھایا ، اور وہ سوچنے لگی ، کہ بے فکری کا وقت اطمینان کا زمانہ یہی ہے ، جس طرح میں آج دنیا کی مصیبتوں میں گرفتار ہوں اسی طرح سلطان ہو گا آج اس کے کان کی ادنےٰ تکلیف نے میری جان پر بنا دی کل زندگی کی بڑی سے بڑی مصیبت میں کوئی بات تک پوچھنے والا نہ ہو گا مگر میں اس وقت کہاں !

(۵)

جب ماں اور باپ کی طرح وقت نے افروز کو شوہر سے بھی ہمیشہ کے واسطے جدا کر دیا۔ تو اس کی عمر ۲۸ سال کی تھی، آٹھ برس کے چھوکرے بچے پر پہاڑ سی جوانی کا کاٹ دینا آسان کام نہ تھا۔ عزیزوں نے ہر چند زور لگائے، پڑوسیوں نے لاکھ جتن کئے۔ ترغیبیں دیں صلاحیں بتائیں، مگر وہ دوسرے نکاح پر رضامند نہ ہوئی، اور یہی کہا:۔

نا بہن، دوسرے کو کیا غرض کہ پرائی اولاد کو سمیٹے۔ میرے بچے کی مٹی برباد ہوگی۔ آج اللہ رکھے آٹھ برس کا ہے، آنکھ بند کر کے پانچ چھ برس گذر جائیں گے، مزے سے بیٹھی راج کروں گی،

افروز ایک لمحہ کے واسطے بھی بچہ کو آنکھ سے اوجھل کرنا نہ چاہتی تھی مدرسہ کے سات گھنٹے اس کو سات مہینے تھے، دن بھر میں بیسیوں پھیرے دروازے پر کرتی، چلتے وقت سات دفعہ آیت الکرسی اس کے منہ پر پھونکتی اور ڈیوڑھی میں جا کر تین دفعہ خدا حافظ کہتی۔

خدا کی مہربانی تھی کہ افروز کی محنت ٹھکانے لگی، سلطان سولہ برس کی عمر میں انٹرنس پاس کر چکا۔ اندیشہ ہے غلط فہمی نہ ہو جائے۔ بن باپ کے بچے کی کامیابی کسی عزیز یا قومی ہمدردی کا نتیجہ نہیں۔ ایک بیوہ کے کمائی اور مامتا کی کوشش تھی۔ شہر کے اچھے اچھے درزی اس کے ٹانکے پر عش عش کرتے تھے، اور کٹاؤ کا کام تو ایسا بے نظیر کرتی تھی، کہ قدر دان سر آنکھوں پر رکھتے تھے، یہ ہی وہ محنت اور مزدوری تھی

جس نے سلطان کو بارہ مہینے اور تیس دن دولھا بنائے رکھا۔ شوہر کے بعد اس کو زنگبین یا مہین کپڑا حرام تھا، پھٹا پرانا پہنتا، اور موٹا جھوٹا کھانا لیکن مدرسے کے چار ساڑھے چار سو لڑکوں میں سلطان کا لباس دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ اس بیوہ کا لڑکا ہے، جو صرف چیتھڑے لگائے گھر میں بھوکی بیٹھی ہے۔

آج تو نہیں، مگر آج سے دس سال پہلے وہ لوگ زندہ تھے، جنہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ کہ بیوہ کا لال سلطان پندرہ پندرہ روپیہ کی بنارسی اور ریشمی اچکنیں پہنے، چونے کے تغاروں اور مٹی کے ڈھیروں پر لوٹ رہا ہے، ماتیوری پر بل کیسا، اس کو دیکھ کر نہال نہال ہو رہی ہے، امتحان کے دنوں میں رات بھر دعائیں مانگتی، اور نماز صبح سے فارغ ہوتے ہی اس کے واسطے کھانا پکا سامنے لاکر رکھ دیتی؛ جس وقت وہ گھر سے نکلتا دور تک اس کو دیکھتی رہتی، اور دل جو ہزاروں آرزوں اور ارمانوں کا گہوارہ تھا اس کی اتنی جدائی بھی مجبوراً گوارا کرتا،

مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر افروز کے قریبی عزیز تھے، جس روز امتحان کا نتیجہ آیا، وہ خود اس کے پاس آئے؛ ان کا نام سنتے ہی دل دھکڑ دھکڑ کرنے لگا، طالب علم سلطان تھا، تشویش اس کو ہوتی، مگر افروز کی حالت بچہ سے بھی بدتر تھی جلدی سے بلا لیا اور دونوں ماں بیٹے ان کا منہ تکنے لگے؛

ماسٹر صاحب، باپ کے بعد آج پہلی دفعہ آئے تھے، اس وقت ان کو معلوم ہوا کہ ماں نے خود خاک میں مل کر بچے کو چھیلا بنایا، جس بچہ کے پاجامہ

کی موری تک لیکری رہتی ہے، اس کی بیوہ ما کے سر پر ثابت دوپٹہ نہیں!

افروز سلام کو جھکی، انہوں نے سر پہ ہاتھ رکھا، اور کہا:۔

"مبارک ہو! تمہارا بچہ امتحان میں پاس ہو گیا۔ افروز تم نے

وہ کر دکھایا جو باپ بھی مشکل سے کرے گا۔ اب آگے پڑھواؤ گی؟

فرط خوشی سے اس قدر بے تاب ہوئی، کہ آنسو بہنے لگے۔ روئی اور کہا:۔

"میں کس قابل ہوں، یہ صرف خدا کی عنایت اور آپ کی محبت کا نتیجہ ہے مجھے کیا امید تھی، کہ میں اپنی زندگی میں یہ دن دیکھوں گی۔ خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے، ماموجان آیندہ کے واسطے میں کیا کہوں، میری حالت اب اس قابل نہیں رہی، خون بگڑ گیا، دیر تک بیٹھا نہیں جاتا، مشکل سے کام کر سکتی ہوں، دو دن میں پورا کرتا تیار کرنے کا کر لیتی تھی۔ اب پانچ پانچ چھ چھ دن لگ جاتے ہیں۔ اس نے دو دفعہ فیس کو بھی دیر ہوئی،

(۶)

دل جس طرح امیر اور غریب دونو کے پہلو میں ہوتا ہے، اسی طرح خواہشیں بھی دونوں کے دلوں میں، افروز کے پاس روپیہ پیسہ خاک نہ ہو مگر سلطان کی شادی کا ارمان ضرور تھا، امتحان کے موقعہ پہ بیماری کی حالت میں لگاتار نو دن اور نو رات فیس کے واسطے محنت کی خون بگڑ ہی چکا تھا، اس مشقت نے مرض کو اور بڑھا دیا، دوا کیا غذا بھی نصیب نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ کھڑی ہوتی تو چکر آتے، بیٹھتی تو سر پھرتا، مگر ممتا کی ماری اس حالت میں بھی لیٹ کر اور بیٹھ کر، تھم کر اور دم لے کر آٹھ دس

روپیہ کی مزدوری کر ہی لیتی۔ اس کا اپنا خرچ تو خاک نہ تھا۔ ہاں سلطان کا بھرم بنانے کو ماں کی یہ مزدوری کافی تھی، اچھے لڑکوں کا توڑا معقول بروں کا کال، جواب ہے نہ جب تھا، کامیاب ہوتے ہی لڑکی والوں کی نظریں پڑنے لگیں، سلطان کے ہاں سب سے بڑی جیت یہ تھی، کہ دیورانی، جٹھانی، نند وند کسی کا ٹنٹا نہ تھا۔ ایک ساس تھی، تو کے دن کی، مشاطاؤں نے ڈورے ڈالنے شروع کئے۔ افروز غریب، سیدھی سادی عورت دنیا کے چکر اور نشیب و فراز کو جانے کیا خاک جس سے کہتی صاف کہہ دیتی، کہ بوا، بھلا میں غریب آدمی امیروں کی بیٹی کس برتے پہ لاؤں بیٹھنے کو بوریا نہیں، لیٹنے کو چارپائی نہیں، کس کو بیٹی دو بھر ہے جو مجھے دیدے گا، بیچ والیاں پہلے ہی پٹرہی پڑھائی تھیں جس نے جواب دیا یہ ہی، کہ بیوی! وہاں روپے کی کیا کمی، ان کو تو خالی لڑکا چاہیئے۔

المختصر اسی قسم کی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، اور اس کے بعد ڈپٹی نصیر محمد خاں کے ہاں بات پکی ہو ہوا تاریخ ٹھہر گئی،

ہم اس موقعہ پر سمجھ میں نہیں آتا، افروز کی قابلیت کا کس الفاظ میں اظہار کریں، محنت کے قابل نہیں، مزدوری کے لایق نہیں، بارہ مہینہ کی بیمار تیس دن کی روگی، خون میں چکر، آنکھ میں پانی، مگر بہو کے ارمان پر قریب قریب اپنی تمام زندگی قربان کردی،

ساری ساری رات بیٹھی، پورا پورا دن گذرا، اور چار جوڑے بہو کے ایسے تیار کئے، کہ ڈپٹی صاحب کی سات پشت میں بھی ایسی دیدہ ریزی

کام نصیب نہ ہوا ہوگا ، یہ سونا چاندی تو نہ تھا مگر اس مامتا کا ثبوت تھا، جس نے بن باپ کے بچے سلطان کو وارث والوں سے زیادہ خوش رکھا، برات کے دن گھر میں دری، چاندنی، غالیچہ ہر چیز موجود تھی، نکاح کے بعد جب دولھا گھر میں آیا، اور ماں کی نظر اس پر پڑی، بے تابانہ لپٹ گئی۔ اور آنکھ سے آنسو کی لڑیاں جاری ہوگئیں، بیویوں نے سمجھایا، تو کہنے لگی۔

میں بھی جانتی ہوں، کہ خوشی کا وقت اور شکر کا موقعہ ہے ، مگر کیسے امید تھی ، کہ سلطان اللہ رکھے جوان ہوکر دولھا بنے گا، اور میں بیاہ ہتے آؤں گی ، خدا نے اپنی قدرت کا تماشہ دکھایا کہ جن کا کوئی والی وارث نہیں، ان کا بہتر وارث وہی ہے ۔

کہتے ہیں، کہ چکور چاند پر، بلبل پھول پر عاشق ہوتی ہے ۔ مگر افروز کا عشق یہ تھا کہ اس پر دیوانوں کی سی کیفیت طاری تھی، اس کی ٹکٹکی بچہ کے چہرے پر بندھی ہوئی تھی ، چاہتی تھی کہ جلدی سے اٹھاکر لے جاؤں ، ڈرتی تھی کہ کہیں کسی کی نظر میرے لال کو نہ لگ، جائے بیٹھے بیٹھے اٹھتی تھی، پاس جاتی تھی ۔ اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتی تھی، پیار کرتی تھی اور بیٹھ جاتی تھی ،

(۷)

وہی ننھی افروز جس کے جذبہ مسرت کی انتہا کل تک صرف اتنی تھی ، کہ دن بھر کے چھوٹے ہوئے باپ کی صورت شام کو دیکھ کر چیخ اٹھی کہ "سلیم ابا جان آ گئے "، آج بچپن اور جوانی دونوں مرحلے طے کرنے کے

بعد ایک ڈیڑھ پانچ رہ کر مصائب کی پوری پوٹ بنی ہوئی وہ ڈیل ڈول وہ رنگ و روغن سب فنا ہوا، سوکھ کر کانٹا ہوگئی، خاموش گم سم اپنے خیال میں غرق پتھر کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی ہے، دفعتہً سلطان اس کے کمرے میں داخل ہوا، اور کہنے لگا،

" دیکھئے! آپ کی غلطیاں کیا دکھاتی ہیں، آپ سے کس کم بخت نے کہا تھا۔ کہ آپ بلا اجازت دلہن کے کمرے میں چلی جائیے، اور ایسی لغو باتیں کیجئے، جو ان کو ناگوار ہوں؛ وہ اگر نماز نہیں پڑھتیں تو وہ جانیں، اور ان کا خدا، آپ دخل دینے والی کون، پردہ کی اگر وہ پابند نہیں تو اچھا کرتی ہیں، آپ اپنی حالت کو دیکھئے اس پردہ ہی نے آپ کو مردہ بنا دیا۔ آپ چاہتی ہیں، کہ آپ کی طرح وہ بھی جیتے جی قبر کا مردہ ہو جائیں، ہوا خوری کو جاتی ہیں، خوب کرتی ہیں، جانا چاہیئے۔ ان تمام باتوں کا دیکھئے یہ نتیجہ ہوا۔ کہ وہ میکے چلی گئیں، اب میری جان تو مصیبت میں پھنسی یہ تو نہیں ہو سکتا۔ کہ میں آپ کی وجہ سے اپنا گھر برباد ہو جانے دوں، اور جس سے تمام عمر نباہنی ہے، اس کی پرواہ نہ کروں،

ما۔ میاں، تم ٹھیک کہتے ہو، مجھ سے غلطی ہوئی، مگر کیا کروں مجبور تھی، اصغر کا ان کے پاس آنا مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا، رشتہ نہیں، ناتا نہیں، اڑسنگ کے پڑسنگ جب ٹھٹھوں کی آواز یہاں تک آئی تو البتہ میں نے جا کر اتنا کہا، بیٹی آج تہائی ہو، نماز کا وقت ہے، اذان ہو رہی ہے نماز پڑھ لو،

سلطان۔ ہاں آپ سے تو غلطی ہو گئی! اور یہاں ایک مصیبت کا سامنا ہو گیا، بہتیرا میں نے روکا۔ وہ نہیں رکیں چلی گئیں اب میں بھی جاتا ہوں۔

اتنا کہہ کر سلطان اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ما اس کا منہ دیکھتی رہی، اور وہ یہ جا اور وہ جا،

دن بھر افروز کی آنکھیں دروازہ کو لگی رہیں، وہ سمجھتی تھی، کہ سلطان اب آتا ہوگا، شام کے وقت اس کے آنے سے مایوس ہو کر ادھر ادھر ٹہل رہی تھی، اور دل کی کیفیت یہ تھی، کہ چہرہ پر ایک رنگ آرہا تھا، ایک جا رہا، کہ ایک بڑھیا برقع اوڑھے اندر داخل ہوئی، اور ایک پرچہ دیکر چلی گئی، افروز نے پرچہ کھولا تو لکھا تھا،

"اما جان، آپ تو مزے سے بیٹھی ہیں، اور آپ نے جو بیج بوئے ان کا پھل مجھ کو مل رہا ہے، کیا خبر تھی، کہ ماں کے ہاتھوں میری مٹی ایسی پلید ہوگی، یہ میری تقدیر کی خوبی ہے، آپ کا قصور نہیں، میں آج یہیں سوؤں گا اب سویرے سے کنڈی لگا لیجئے"

خط کو تین چار مرتبہ پڑھا، آنکھ سے آنسو نکل پڑے، سر پر رکھا، آنکھوں سے لگایا، اور چراغ جلا کر دروازہ بند کر خاموش بیٹھ گئی۔

آج پہلا روز اور پہلی رات تھی، کہ بدنصیب کا لال زندہ سلطان ایک شہر کے شہر میں ماں کی آنکھ سے دور ساری رات باہر سویا، کیسی نیند اور

کس کا آرام، رات اپنے ساتھ وہ مصیبت کا پہاڑ لائی، جو مامتا کی ماری کسی طرح نہ سرکا سکتی تھی، اٹھی باہر آئی قدرت کا ہر ذرہ اپنے کام میں منہمک تھا۔ ہوا تھی، تارے تھے، چاند تھا، آسمان تھا، ٹھٹکی ادہر دیکھا پیچھے دیکھا۔ ادہر دیکھا، اُدہر دیکھا، تڑپی، بلبلائی، مضطرب ہوئی بےچین ہوئی، یہ سب کچھ ہوا، مگر رات کسی طرح ختم نہ ہوئی، پلک سے پلک جھپکانی حرام اور پلنگ پر بیٹھنا گناہ تھا، ہائے مامتا، اس کی بے اعتنائی اور بیوفائی کا مطلق خیال نہ تھا، اور دل کہہ رہا تھا، کہ کہیں کوئی زہر نہ دیدے کہہ رہا تھا سر میں درد ہے، خبر نہیں رات کیسی گذری ہوگی، یقیناً بخار ہوگیا، میرے رنج کے مارے نہیں کہا، ضرور بیمار ہے، دیکھئے صبح کو بھی آتا ہے یا نہیں، فرط محبت میں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا: باہر نکلی، سڑک پر آئی، قصد کیا، کہ جاؤں دیکھوں، دور سے صورت دیکھ لوں، اور چلی آؤں، مگر یہ خیال آیا، خبر نہیں کیا وقت ہے دروازے بند ہوگئے ہونگے کھلواؤں گی، تو اور قیامت توڑے گا،

(۸)

سلطان - بیگم خدا کے واسطے تم اب اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو، میں تمہاری تکلیف سے بے قرار ہوں، واقعی ان سے غلطی ہوئی، میں معافی کا خواستگار ہوں،

بیگم - یہ میرے اختیار کی بات نہیں - میں خود چاہتی ہوں۔ کہ اس خیال کو بھلا دوں مگر نہیں بھولتا، غضب خدا کا اصغر مجھ سے جاسے

تعلیم النسواں کے متعلق گفت گو کر رہا تھا، دفعتہً بغیر کسی اطلاع کے دندنا تی
گھسی چلی آئیں اور کہنے لگیں، بس ٹھٹھے لگا چکیں، نماز پڑھو، درد جاتا رہا
میں یہاں چلی آئی، مگر اس کی کسک اب تک دل میں موجود ہے، اور جب
تک میں موجود ہوں موجود رہے گی "

بیگم کا یہ فقرا ختم ہی ہوا تھا۔ کہ ڈپٹی صاحب نے آواز دی" میں اندر
آسکتا ہوں" دونو میاں بیوی اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہا تشریف لایئے،
ڈپٹی صاحب اندر تشریف لائے، اور سلطان سے کہا:۔

" مبارک ہو! تمہارا تقرر نائب تحصیلداری پر ہو گیا، اور طاعون کی
خدمات سپرد ہوئیں، تم کو فوراً حصار پہنچنا چاہیئے، وہاں چونکہ بیماری کا زور
ہے، اس لئے ان کا ساتھ لے جانا تو مناسب نہیں۔ اگر تم پسند کرو، تو اپنی
والدہ کو ساتھ لے جاؤ۔

بیگم ۔ جی نہیں، بیماری ہمیشہ تھوڑی رہے گی، ان کا جانا درست نہیں
ذرا بیماری کم ہو جائے، میں خود چلی جاؤں گی،

ڈپٹی صاحب اتنا کہہ کر چلے گئے، بیگم نے خوشی کا ایک قہقہہ لگایا،
اور کہا:۔

بہت خوشی کی بات ہے کہ یہ کوشش کامیاب ہوئی۔ اب تم
آج ہی روانہ ہو جاؤ۔

سلطان ۔ اچھا تم ضروری اسباب وغیرہ باندھ دو،

(۹)

افروز کو آج بچے کی صورت دیکھے ساتواں روز ہے، اس کی خیر صلاح روزانہ معلوم ہو جاتی ہے مگر صورت دیکھنی نصیب نہیں ہوتی، ایک ایک سے پوچھتی ہے، روتی ہے، تڑپتی ہے، اور کہتی ہے، زیادہ نہیں ایک دفعہ پاس سے نہیں دُور سے وہ مکھڑا دکھا دو، گناہ گار ہوں، بات نہ کروں گی، بدتمیز ہوں بولوں گی نہیں، غیر ہوں دخل نہ دوں گی، لونڈی ہوں خاموش رہوں گی۔ مگر للّٰہ ایک دفعہ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ وہ صورت دکھا دو۔

خاموش بیٹھی دہاڑیں مار رو رہی تھی، کہ سلطان اندر داخل ہوا، دوڑی اور بے تاب ہو کر لپٹ گئی۔ اس کا سر اپنے سینہ سے لگایا، اور کہا:۔

سلطان تجھ کو بیوی نصیب! میری زندگی زیادہ نہیں بہت تھوڑی باقی ہے، اپنی بیوی کا صدقہ مجھے اس صورت کو نہ پھڑکا"

ماں کی یہ گفتگو سلطان کو ناگوار نہیں تو خوش گوار بھی نہ معلوم ہوئی، اس نے آہستہ ماں کے سینہ سے نکلنے کی کوشش کی، نکلا اور کہا،،

خدا کا شکر ہے میں حصار میں نائب تحصیلدار مقرر ہو گیا ہوں طاعون کا کام میرے سپرد ہوا ہے، آج ہی مجھے روانہ ہو جانا ہے۔ تم سے ملنے آیا ہوں۔

ماں۔ کیسا طاعون! کیا وہاں طاعون ہے؟

سلطان - اچھا پھر ہے تو کیا وہاں نہ جاؤں؟ اسی واسطے تو تم سے کچھہ کہنے کو جی نہیں چاہتا ، کہ جو بات کہو گی ، اوندھی ،

ما - اچھا میں کچھہ نہیں کہتی ، مگر مجھہ کو بھی لے چل !

سلطان - یہ دوسری عقلمندی ہے ،

اتنا کہہ کر سلطان مڑا ، مگر چلا نہ تھا کہ ماں نے اس کی گردن میں ہاتھ ڈالدیے اور کہنے لگی ، سلطان مجھہ پہ رحم کر ، میں مرجاؤں گی - مجھہ سے یہ صدمہ برداشت نہ ہوسکے گا - سات ہی روز میں میں مردہ ہوگئی ،

اس وقت ما کا کہنا البتہ سلطان کو ناگوار تھا ، اس کی تیوری پر بل آگیا اس نے ما کے ہاتھ ذرا زور سے علیحدہ کئے اور کچھہ سختی سے کہا ،

تمہاری زندگی ختم ہو چکی ، مجھہ کو اپنی زندگی گذارنی ہے ، میں اس کو ذلت سے تمہاری طرح بسر کرنا نہیں چاہتا -

ما - اچھا میاں اچھا ، مگر ایک بات مان لے ،

سلطان - کیا -

ما - مجھہ کو بھی لے چل -

سلطان - ناممکن !

یہ کہہ کر سلطان چلا تو ماں نے کہا اچھا ایک اور بات ،

سلطان - وہ کیا ؟

ما - ایک خط روز . . . . . .

سلطان - وعدہ نہیں کرتا کوشش کروں گا -

یہ کہتا ہوا سلطان ما کے سامنے سے غائب ہو گیا،

(۱۰)

سلطان کو حصار گئے سترہ روز ہو گئے، صرف ایک خط پہونچکر ما کو لکھا اس کے بعد پورے نو روز سے خیریت معلوم نہیں ہوئی، ما نہیں ایک دیوانی ہے جو اس کے نام کی تسبیح جپ رہی ہے، محلہ والے اس کی حالت پہ ترس کھا کر اس کو سمجھاتے اور تسکین دیتے ہیں۔ مگر دل کی لگی کسی طرح نہیں بجھتی بھوک اور نیند سب ختم ہو گئی، محبت یا مروت سے نہیں، خدا کا خوف کھا کر کوئی پڑوسن ایک آدہ روٹی دے جاتی ہے، زبردستی لے کر بیٹھتی ہے، مگر نوالہ نہیں چلتا، بے تابی کی انتہائی کیفیت اور اضطراب کی آخری حالت ہے آدہی رات کے وقت ایک روز جب بے چینی حد سے بڑہ گئی، تو یہ خط لکھا،

سلطان میاں! جن آنکھوں سے آدہی آدہی اور ساری ساری رات کیکری اور کٹاؤ کے کام سے جی نہ چرایا وہ تم جیسے لال کو دو حرف لکھنے کے قابل نہیں یہ خط نہیں بدنصیب ما کی التجا ہے قبول کر اور دعا لے،

میں نے مصیبتیں پیٹ کر پال پڑہ پیل کر ننھی سی جان کو جوان کیا اس توقع پر نہیں کہ میری خدمت کرے: اس امید پر کہ میرا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔ مگر آج نو روز سے دنیا میری آنکھوں میں اندھیر ہے ہوا سے پوچھتی ہوں، تاروں سے دریافت کرتی ہوں، درختوں سے

التجا کرتی ہوں، مگر کوئی اتنا نہیں، کہ مجھ کو میرے پیارے کی خبر سنادے،

شوہر نے جو امانت میرے سپرد کی تھی، میں نے اسکو پروان چڑھایا۔ سلطان اس دن کو نہیں، کہ تیری خیریت کو ترسوں، تیری صورت کو پھڑکوں، آنکھیں تیرے چہرے، کان تیری آواز سے محروم ہو جائیں اور تیرے کان پر جوں نہ چلے،

کل اپنی لگی میں تمہاری سسرال گئی شکایت نہیں واقعہ ہے کہ کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، بہو بیگم نے ہنس کر کہا کہ ان کو طاعون ہو گیا۔

مجھ پر کیا گذری، کس طرح کہوں، کیونکر کہوں، رات میرے سر پر ہے، اور مصیبت میرے ساتھ، زیادہ نہیں، دو حرف اپنی خیریت کے لکھدے، دعا دوں گی خوش رہے گا، پھولے گا پھلے گا، میں زیادہ رہنے والی نہیں، صدموں نے میری جان پر بنا دی، اور چار روز کی مہمان ہوں، میری تکلیفیں ختم ہوتی ہیں، اور تھوڑے روز کی بات ہے، باپ کی بہار میں نے نہ دیکھی ماں کا سایہ مجھ پر نہ رہا، جس نے عمر بھر کے واسطے ہاتھ میں ہاتھ لیا وہ بھی گہری گور میں جا سویا، اب میری تمام امیدیں تیری ذات پر ہیں، میں دنیا کی بدنصیب عورت اور کائنات کی قابل رحم ہستی ہوں، اگر صدمات کی کیفیت یہ رہی تو زندگی ختم ہے،

سلطان رحم کر رحم سلطان رحم!

صبح ہی افروز نے یہ خط ڈاک میں ڈلوا دیا، دن جس طرح گذرا گذرا، رات جیسی کٹ سکتی تھی کاٹی، دو دن اور دو راتیں گذریں، تیسرے دن صبح کے وقت ڈاکیہ کے انتظار میں دروازے میں جا بیٹھی، جس وقت اس کی صورت دیکھی، کلیجہ بلیوں اچھلنے لگا، بیتاب ہو کر آگے بڑھی، پوچھا بھائی کوئی اس گھر کا خط ہے،

ڈاکیہ سوکھے منہ سے یہ کہہ کر کہ "ہوتا" تو آپ ہی دیدیتے" آگے بڑھ گیا،

اب البتہ دل کی حالت دکھانے کے قابل نہ تھی۔ گھر کا سب اسباب سمیٹ کر ایک گٹھڑی بنائی، دروازے کو قفل لگایا، اور چادر سر پر ڈالکر بازار میں آئی سات روپے کچھ آنے کے وہ گٹھڑی بیچ سٹیشن پہنچی، اور حصار کا ٹکٹ لے روانہ ہوئی،

(۱۱)

رات کے نو بجے حصار کا نائب تحصیلدار محمد سلطان آرام کرسی پر لیٹا بیگم کے خط کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کہ ہاتھ پاؤں ٹوٹنے شروع ہوئے، اور آناً فاناً بخار اس شدت سے چڑھا کہ ہوش جاتے رہے، طاعون اس کثرت سے پھیل رہا تھا کہ سلطان کو یقین کامل ہو گیا۔ کہ اب زندگی کی کوئی امید نہیں، اس حالت میں اس کو ماں کی محبت اس کی شفقت مامتا، اور خدمت کا خیال آتے ہی، اپنی لاپروائی، اور بے اعتنائی

کا خیال آیا، رونگٹے کھڑے ہو گئے، تھر تھر کانپنے لگا۔ اپنی نالائقی کی تصویر آنکھ کے سامنے تھی۔ بخار شدت سے چڑھا ہوا تھا، بے اختیار تڑپ اٹھا، اور چلایا،

"ہائے اماّ کیا کروں"

ابھی ان الفاظ کی گونج کمرہ میں ختم نہ ہوئی تھی، کہ بدنصیب ماکا منہ بیمار بچہ کے سینے پر موجود تھا، سلطان اتنا کہہ کر بے ہوش ہوگیا۔ ماںنے سر سے پاؤں تک اس کی بلائیں لیں، باہر نکلی، وضو کیا، سجدہ میں گری اور کہا:۔

"خوشی اور غم دو تو توام ہیں۔ مگر میں وہ بدنصیب ہوں، کہ خوشی آنکھ کھول کر بھی نہ دیکھی، اگر میری تقدیر کا صرف رنج تھا، تو خوشی کس کے لئے ہے مظلوموں کے سننے والے مظلوم ہوں، بیوہ کی فریاد کو پہونچنے والے رانڈ ہوں، مانگنے والی کو دینے والے ملتجی ہوں، بچہ کی موت نہ دیکھوں۔ مار مجھ کو مار، اٹھا مجھ کو اٹھا، لینے والی لیتی ہے، دینے والے دے، کہاں ہے، گردن کی رگ کے پاس، کدھر ہے، انسان کے دل کے اندر سن اور کر جو کہتی ہوں، بچہ اچھا ہووے اور دلا جو مانگتی ہوں۔ موت"

اٹھی آئی، سلطان بے ہوش تھا، لپٹ گئی، لپٹی پڑی رہی، تین بج رہے تھے، سلطان نے آنکھ کھولی پسینہ میں شور بشور تھا، بخار اتر گیا،

اٹھا ماں کے قدموں میں سر رکھا، دیکھتا ہے کہ بدنصیب ماممتا کی ماری بخار میں بھلس رہی ہے، گلٹیاں نمودار ہو گئیں، اب افروز کو موت کا پورا یقین تھا، حالت لمحہ بہ لمحہ بگڑتی گئی۔ صبح کا وقت تھا کہ اپنے بچے کو اپنے پاس بلایا، اپنے ہاتھ سے اس کا بنڈا دیکھا، اور یہ دیکھ کر، کہ بخار اُتر گیا دوسرا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کا ہاتھ اپنے منہ پر رکھا آنسو بہ رہے تھے، کلیجہ میں ایک ہوک اٹھی، اس کا سر اپنے سینہ سے لگایا، اور کہا،

"سلطان خوش رہ خدا حافظ"

ایک ہچکی آئی، اور ماممتا کی ماری بچہ کا سر چھاتی سے چمٹائے دنیا سے رخصت ہو گئی۔

۱۹ ء

فرشتہ بیوی

رات کے ان اوقات میں جب دماغ دن بھر کے معاملات سے اکتا کر آرام کا متلاشی ہوتا ہے، نیند اچٹ کر تنہائی کی گھڑیاں مصیبت کی کڑیاں بن جاتی ہیں۔ کروٹیں بدلتے بدلتے زلف شب کی سیاہی کافور ہونے کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ مگر نیند کا نشان کہیں نہیں ملتا۔ اس وقت ماضی و مستقبل دونوں کی تصویریں نیند کے بدلے آنکھ میں سما جاتی ہیں۔ کبھی عہد گذشتہ سانپ کی طرح کلیجہ پر لوٹ جاتا ہے اور کبھی دور آئندہ رنگ برنگ کے نقشے سامنے لا جماتا ہے۔ ایک رات کا بڑا حصہ اسی عالم بیداری میں بسر ہوا۔ موسم گرم اور چاند پورا ہوا کے ٹھنڈے جھونکے جنت کا مزہ دے رہے تھے اور تخیل دنیا بھر کے سوانگ دکھا رہا تھا۔ دفعتہً طائر تخیل کی پرواز فضاء وطن میں عہد شاہجہانی تک پہنچی اور دل نے یہ صدا دی۔

اے خاک وطن اس لئے نہیں کہ گھر ہے۔ اور نہ اس لئے کہ بزرگوں کی ہڈیاں تجھ میں دفن اور چاند سے عزیز تجھ میں ابدی نیند

سو رہے ہیں بلکہ اس لئے ضرور اس لئے اور صرف اس لئے اے خاک وطن اس لئے اور بیشک اس لئے کہ اس دنیا میں تجھ سے ایسی ایسی صورتیں اٹھیں جن کی انسانیت کا ڈنکا روئے زمین پر بج گیا تو سر اور آنکھوں پر جگہ پانے کی مستحق ہے۔

ہائے شاہجہاں آباد تیری زمین وہی تیرا آسمان وہی مگر تیری حالت میں تغیر ہے، تیری صورت میں فرق ہے۔ کدھر مٹا دیں تو نے وہ صورتیں جن کی زندگی کو انسانیت نے اپنے پہلو میں جگہ دی کہاں غارت کر دیئے تو نے وہ مکھڑے جن سے دم گفتار پھول جھڑے، وہ سماں کہاں گیا وہ محفلیں کدھر مٹیں وہ لوگ کیا ہوئے آنکھیں دیکھتی ہیں اور روتی کہ جہاں پھول کھلتے تھے وہاں خاک اڑ رہی ہے، اور جہاں بلبل چہکتے تھے، وہاں الّو بول رہا، وقت ترقی کر رہا ہے اور زمانہ نئے نئے تماشے دکھا رہا ہے۔ دنیا نئی نئی تحقیقات پر نازاں اور تمدن طرح طرح کے انقلاب پر فخر کناں ہے۔ مرد میدان تعلیم میں سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ عورتیں آزادی کی ہوا میں تیزی سے قدم بڑھا رہی ہیں لیکن اجازت دے اے خاک تیرا سرمہ بناؤں تجھے بوسہ دوں۔ تجھے سجدہ کروں۔ اس لئے کہ تیری آغوش میں وہ سپوت بھی پروان چڑھ چکے ہیں اور دیویاں بھی کھیل چکی ہیں جن کے نام سے آج تک دنیا نے انسانیت زندہ ہے۔ اور جن کے کام سے اب تک تاریخ کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔

(۱)

عہد شاہجہانی کے تیرہویں سال مینہ برس کر تھم چکا ہے۔ اولتیاں ٹپک رہی ہیں مگر بادل پھٹنے کا اور گھٹا ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ تھانہ دار نصیر الدین خاں خاموش بیٹھا تھا کہ برقنداز نے حاضر ہو کر سلام کیا اور کہا کوئی نہیں سرکار دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر قاتل کا سراغ نہیں چلتا۔

تھانہ دار۔ خاموش ہو جا۔ ایسی بات ہرگز نہ کہہ۔ قتل شہر کا ہوتا تو بھی کچھ نہ تھا قلعہ معلی کا قتل ملازم شاہی کا خون اور پتہ نہ چلے سعد اللہ خاں وزیر تو میرا زن بچہ کو لہو پلوا دے گا۔

برقنداز۔ سرکار جو حکم دیجئے وہ تعمیل ہو۔ اصلی قاتل کا پتہ چلنا تو ناممکن ہے۔

تھانہ دار۔ ہاں تو یہ کیوں نہیں کہتا اگر اصلی قاتل کا پتہ نہیں تو فرضی پیدا کر۔ مگر کسی طرح قتل کا پتہ چلے اتنا کہہ کر نصیر الدین باہر نکلا برقنداز ساتھ ساتھ اور دونو خاموش تھے کہ زنانہ دروازہ پر ایک شخص نے سوال کیا دونو ادھر مڑ گئے اور تھانہ دار نے کہا ارے عبد اللہ ادھر تو آ تجھے اس بھیک میں کیا مزا آتا ہے۔

عبد اللہ۔ سرکار مزا کیا آئے گا پیٹ بھر رہا ہوں، ہاتھ بیکار ہے۔ سجھائی دیتا نہیں۔ ہیضہ میں جوان لڑکا مر گیا۔ اب چار دم اور ایک میں کمانے والا جو ٹکڑ ٹیڑا مل جاتا ہے لیجاتا ہوں مرنے والے کے ننھے ننھے دو

بچے ایک بھوا ایک ہیں۔ اب تھانہ دار نی ایک وقت کی روٹی روز دے دیتی ہیں وہی دو نو وقت ہو جاتی ہے۔ پرسوں سے مینھہ دم بھر کو نہ تھما، رات معصوم بچوں نے بلک بلک کر کاٹی۔ صبح کو نکلتا تھا مسجد کے پاس آکر پاؤں پھسل گیا، ٹانگ دبل ہو گئی قدم نہیں اٹھتا مگر کیا کروں، بچوں کی کیفیت نہیں دیکھی جاتی۔

تھانہ دار۔ اگر ہم تجھکو ایسی ترکیب بتادیں کہ تیری تمام تکلیفیں رفع ہو جائیں تو بھی مزے کرے اور تیرے بچے بھی تو کیا دلوائے۔

عبداللہ۔ بھلا سرکار میں کس قابل ہوں حضور کی کمائی میں ہم غریبوں کا سانجھا ہے حضور کے نمک سے ہم پل رہے ہیں۔ میں کیا دوں گا معصوم بچے عمر بھر اور میری زبان ہمیشہ دعا دے گی۔

تھانہ دار۔ سن اس وقت یہاں میرے اور تیرے سوا کوئی نہیں۔ یہ برقندار بھی غیر نہیں دیکھ تو نے سنا ہو گا قلعہ معلیٰ میں قتل ہوا ہے تو قاضی کے سامنے قتل کا اقرار کرے یہ دیکھ مسجد کی طرف میں ہاتھ اٹھا کر کہتا ہوں جو تیرا بال بھی بیکا ہو جائے۔ لے یہ دس روپے بیجا باقی چالیس روپیہ اور دونگا۔

ادھر تھانہ دار کی پچھے دار تقریر ادھر عبداللہ کی تقدیر فاقوں کی بھرمار تھانہ دار کا اقرار رضا مند ہو گیا۔ ڈیوڑھی سے آواز آئی عبداللہ روٹی لے لے۔ گیا تو روپے چھنک رہے تھے تھانہ دار کی بیوی عائشہ نے پوچھا بھائی آج یہ روپے کہاں سے آئے، عبداللہ سیدھا آدمی سارا حال کہہ دیا اور روٹی لے لوٹا تو نصیر نے تسلی تشفی دی روٹی کھلا پانی پلا بال بچوں کی خبر گیری کا اطمینان دلا کاٹ پاؤں

میں ٹھوک دیا۔

(۲)

نصیر بدبخت نہال نہال گھر میں بیٹھا ہے کبھی بیٹے سے باتیں کرتا ہے کبھی بیٹی سے ہنستا ہے خوش ہوتا ہے بچوں سے کھیلتا ہے۔ دفعتہً اسے کچھ خیال آیا۔ بیوی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

یہ کیا غضب ہے تمہاری تیوری پر میں نے ہمیشہ بل دیکھا کیسی منحوس گھڑی کی پیدائش ہے۔ محرم کا مہینہ تو نہیں تھا کہ کبھی ہنستے دیکھا ہی نہیں، تم نے آم کھائے کیسے تھے۔

بیوی۔ میری تقدیر کہ مجھے کبھی خوشی میسر ہی نہیں ہوتی میں اپنے واسطے نہیں تمہارے واسطے روتی ہوں دیکھئے یہ دنیا تم کو کیا دکھاتی ہے۔ خدا کا خوف تمہارے دل سے جاتا رہا۔ دنیا کی محبت میں ایسے پھنسے کہ موت کبھی بھول کر بھی یاد نہیں آتی میں ڈرتی ہوں کہ عنقریب کوئی مصیبت ہم پر نازل ہونے والی ہے خدا کے غضب کے مقابلہ میں ہماری ناچیز ہستیاں کوئی طاقت نہیں رکھتیں بدنصیب آم والی جس کے آم تم نے زبردستی چھینے وہ بدنصیب عورت ہے جس کی داستان نے میرا کلیجہ دہلا دیا۔ کمبخت بیوہ ہے بدنصیب دو جوان لڑکوں کو اپنے ہاتھ سے کفنا چکی اس کی ملکیت اس فانی دنیا میں صرف ایک آم کا درخت ہے۔ تقدیر پھوٹی اور کرموں جلی نے مہینوں اس کی سیوا کی راتوں خوفناک جنگل میں تن تنہا اس کے نیچے سوئی اور حفاظت کی جب آم توڑے تو جن توقعات پر وہ ٹوکرا

بیکر چلی میں بیان نہیں کر سکتی تقدیر اس بدنصیب کو ادھر لے آئی اسے کیا خبر تھی کہ تمہاری ہستی اس کی تمام توقعات کا اس کے ارمانوں کا اس کی امیدوں کا خاتمہ کر دے گی۔

تم طاقتور تھے وہ کمزور تم بااختیار وہ معذور تم تہانہ دار وہ مجبور تم نے اپنی طاقت سے اپنی حکومت سے اپنی قوت سے اس کا ٹکڑا چھینا یہ آم نہیں ایک بیوہ کی امیدیں یہ ٹوکرا نہیں ایک عورت کا مستقبل تھا۔ اس میں طاقت نہیں کہ مقابلہ کرتی اس میں ہمت نہ تھی کہ اُف کرتی وہ روتی ہوئی میرے پاس آئی اس کی آنکھ میں آنسو تھے اس کے لب پر آہ تھی، اس کے دل میں درد تھا جو ہو سکا میں نے اس کے ساتھ سلوک کیا مگر اس کے درد کی دوا اس کے مرض کی شفا اس کے زخم کا پھایا۔ اس کے ناسور کا علاج میری طاقت سے دور اور میرے اختیار سے باہر تھا۔ یہ آم مجھے حرام ہیں تم کھاؤ شوق سے خدا تم کو رچائے بچائے مگر اتنا یاد رکھنا کہ جن کمزوروں کا کوئی نہیں ان کا بھی وارث ہوتا ہے۔

(۳)

رات کے دو بجے عبداللہ کی بیوہ ہُوا اپنے دو معصوم بچوں کو لئے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اس طرح گڑگڑا رہی ہے۔

مفلسی اور غریبی زندگی کا ثمر تلخ سہی لیکن اُنکا شکوہ غلط اور شکایت فضول سونے چاندی کا زیور سنہری اور روپہلی کپڑے پہنے اور برتے - کڑاکے کے فاقے اور بھیری کپڑے۔ سیئے اور پہنے وہ وقت رہنے والا تھا نہ یہ

دن ٹکنے والے اس کا خیال نہ اس کا ملال وہ ذات جس کے ساتھ عمر کی توقعات وابستہ تھیں ہمیشہ کی نیند سو گئی ۔ اور وہ جسم جو زیوریں لدا ماں کی چوکھٹ سے پالکی میں سوار ہوا آج دھوتر اور گاڑھے کو محتاج ہے ۔ لیکن شکر ہے تیرا اے پاک پروردگار کہ جب سے اور جس روز سے سہاگ کا دو پٹہ اتار کر بیوگی کا برقع اڑھایا اس روز سے آج تک ان آنکھوں نے کسی غیر مرد کی صورت نہ دیکھی تنہا نہ دار کہتا ہے عبداللہ کو پھانسی دلواؤنگا، دلوائے شوق سے ایک دفعہ نہیں بیس دفعہ ۔ ظالم کا پیام ہے کہ دو نوں بچے ذبح کردوں گا کر دے، ضرور کر دے بلا تامل کر دے خسر کی قربانی چشم ماروشن بچوں کی بھینٹ دل ماشاد، لیکن عصمت باپ دادا کی لاج ضائع نہ ہوگی ، یہ شوہر کی امانت اور باپ کی عزت ہے دولت نہ ہو نہ سہی عصمت پر حرف نہ آنے دوں گی ۔ کیا کروں کیونکر بھاگوں ۔ ظالم نے دروازہ کو قفل لگا دیا ۔

تین بج رہے تھے کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی ۔ بدن تھر تھر کانپنے لگا ، ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے ، چاہتی تھی کہ بچوں کو لیکر کہیں چھپے کہ نصیر تیغ برہنہ ایک ہاتھ میں اور شراب کا شیشہ دوسرے میں لئے اندر داخل ہوا ۔ اس کے پیچھے پیچھے خاموشی کے ساتھ ایک اور عورت تھی دروازہ میں چھپ گئی اور مکار کنڈی لگا اندر داخل ہوا ۔

شراب کے تین چار جام متواتر پئے اور عورت کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا عبداللہ کی رہائی ان دو بچوں کی جان اس وقت تیرے قبضہ میں ہے

میری درخواست پوری کر تو تیرے بچے تجھکو مبارک عبداللہ صبح ہی رہا ہو گا اور آیندہ کے واسطے مفلسی کی تکلیفیں ختم۔

عورت کے بدن میں رعشہ تھا آواز نہ نکلتی تھی اس نے ہاتھ جھٹک دیا اور کہا:" خسر اور بچے تینوں قربان فاقہ قبول اور مفلسی منظور مگر جب تک اس جسم میں روح ہے تیری طرف دیکھنا بھی حرام۔

روشنی دھڑ دھڑ ہو رہی تھی کہ نصیر نے تلوار اٹھائی چاہتا تھا کہ بچوں کو قتل کر دے ابھی وار پورا نہ پڑا تھا کہ ایک برقعہ پوش عورت پیچھے سے آکر لپٹ گئی اور اشارہ کیا کہ اپنے بچوں کو لیکر بھاگ، دروازہ کھلا ہوا تھا بیوہ دونو بچوں کو لیکر بھاگی نصیر نے ہر چند پکڑنا چاہا مگر عورت کے ہاتھ کمر میں اس طرح حائل ہوئے تھے کہ نہ بڑھ سکا۔ حالت غیظ و غضب میں تلوار دونو ہاتھوں پر ماری۔ عورت کا ایک پہونچا الگ جاکر پڑا ہٹاکر صورت دیکھتا ہے تو کوئی غیر نہیں اپنی بیوی عائشہ ہے۔

(۴)

جس طرح ظالم نصیر کی ہئی تمام شہر میں مچی ہوئی ہے اسی طرح لوبی عائشہ کا رحم دُور دور مشہور ہے وہ ہر وقت خوف خدا سے کانپ رہی ہے اور ڈرتی ہے کہ عنقریب کوئی مصیبت اس گھر پر نازل ہونے والی ہے۔ ڈھونڈ ڈھونڈکر رانڈوں اور یتیموں کی خدمت کرتی ہے۔ اپاہجوں اور بے وارثوں کے ساتھ سلوک کرتی ہے کہ شاید کوئی خدمت خدا کے غضب کو روک لے۔ نصیر کو سمجھاتی ہے لڑتی ہے جھگڑتی ہے مگر وہ بیوی کی بات پر مطلق

دھیان نہیں کرتا، دیوانہ سمجھتا ہے، بیوقوف کہتا ہے اور سوا کسی خاص ضرورت کے گھر میں آتا تک نہیں۔ رمضان المبارک کے مہینے میں سحری کے بعد عائشہ کلام اللہ کی تلاوت میں مصروف تھی کہ اس کے کان میں باہر سے رونے کی آواز آئی رات کے سناٹے میں یہ دردناک آواز کلیجہ کے پار ہوتی تھی بلبلا گئی۔ کلام اللہ جزدان کیا، دروازہ پر آئی تو دیکھا کہ ایک عورت کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر نصیر اینٹ آگ میں دہکا رہا ہے۔ اور کہتا ہے جب تک مال کا پورا پتہ نہ بتائے گی۔ رہائی ممکن نہیں تو بڑی چھتیسی عورت ہے اور مجھے معلوم ہے خانصاحب کا مال تیرے قبضہ میں ہے شام سے یہ وقت ہوگیا میں مارتے مارتے ہلکان ہوگیا مکر پٹتے پٹتے راہ راست پر نہ آئی اب یہ دہکتی ہوئی ہوئی اینٹ دم بھر میں قبولوائے گی۔

عورت - خانصاحب میرے چچا تھے ان کا مال اگر میرے قبضہ میں آتا تو چوری کا نہ تھا مگر اس لئے کہ میں بے وارثی ہوں ان کا دم نکلتے ہی تمہارے دونوں نوکر سب کچھ اٹھالائے۔ جو گلوبند میرے پاس موجود تھا وہ دیدیا۔ اس مصیبت اور اذیت پر اس آفت اور قیامت پر جو شام سے مجھ بے وارثی پر ٹوٹ رہی ہے دو چار سو روپیہ کیا شاہی خزانہ ہوتا تو قربان کر دیتی۔ اس چار برس کی لڑکی کے سوا میری ملکیت اب کچھ نہیں تم صاحب اولاد ہو شریف ہو حاکم ہو غور کرو کہ اس بچی کے دل پر جو شام سے ماں کی یہ مصیبت دیکھ رہی ہے کیا گذر رہی ہوگی یہ اس کے سونے کا وقت تھا میرے کلیجے سے چمٹنے کا لیکن میں بندھی پڑی ہوں اور یہ

مٹر مٹر میری صورت دیکھ رہی ہے۔ خدا نے تم کو حکومت دی، عزت دی، دولت دی، ثروت دی میں تمہاری ایک بے وارثی پردہ نشین رعیت ہوں، میرا آنچل تک کبھی کسی نے نہ دیکھا آج میرا پیٹ اور سینہ سب تمہارے سامنے برہنہ ہیں۔ کیا دولت کی ونعمت اس آفت سے زیادہ ہے، مار کر پیٹ کر گالیاں دیکر برا بھلا کہہ کر تمہارا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ اگر داغ سے تمہاری آرزو پوری ہوسکتی ہے تو داغو مگر یہ سمجھ لو میری یہ مصیبت اور تمہاری یہ حکومت دونوں فانی ہیں۔ تم نے میری اس معصوم بچی کے منہ پر جس کو باپ نے اور میں نے آج تک پھول کی چھڑی نہ لگائی طمانچے مارے! تم نے اس کے سیاہ بالوں کو جن کی میں رکھوالی کر رہی ہوں پکڑ کر گھسیٹا! تم نے اس کے بدن پہ جو میرے کلیجے کا ٹکڑا ہے بید مارے! یہ روئی بلکی اور میری آنکھوں کے سامنے تڑپ گئی۔ مگر میں کچھ نہ کر سکی۔ لیکن یہ کہہ دیتی ہوں یہ رات اور یہ بات ہمیشہ رہنے والی نہیں یقین کرو میں سچی ہوں میرے پاس کچھ نہیں جو تھا وہ دے چکی اب ایک دم اور ایک بچی یہ دو موجود ہیں سو دونو حاضر ہیں۔

نصیر۔ اچھا میں تجھکو صبح تک کی اجازت دیتا ہوں اور سوچ لے کہ اگر دیدے گی تو خیر ورنہ یاد رکھ یہ اینٹ دہک رہی ہے اور یہ خود تجھ سے لیگی

عورت۔ مگر اتنا کرم اور کر دو کہ میرے ہاتھ پاؤں کھول دو یہ جکڑے جکڑے شل ہوگئے ان میں درد ہے۔ میں بھاگوں گی نہیں تمہارا پھاٹک بند ہے۔ یہیں حاضر رہوں گی،، نصیر کو اب توقع ہوئی کہ کام بن گیا ہاتھ پاؤں کھولدیئے پھاٹک

مقفل کر دیا اور پڑ کر سو گیا۔

عورت تھوڑی دیر بعد اٹھی بچی کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف چلی۔ اس نے کچھ سوچا اور بچی سے کہا کہ صبح جو مصیبت سر پر لانے والی ہے وہ ظاہر ہے۔ روزہ بھی افطار نہ ہوا۔ خیر خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ دہکتی ہوئی ہوئی اینٹوں سے بچنا آسان نہیں موت یقینی ہے مگر میرے بعد تیرا کیا حشر ہوگا۔

اتنا کہہ کر عورت نے کچھ سوچا سر کی چادر اتاری بچی کو پیٹ سے کس کر باندھا اور کنوئیں پر پہنچکر اتنا کہا معبود حقیقی، خودکشی گناہ ضرور ہے، مگر معاملہ تیرے سامنے ہے اب اس کے سوا چارہ نہیں کودنا چاہتی تھی کہ پیچھے سے ایک عورت نے پکڑ لیا۔ منجھلا روزہ تھا چاندنی کھلی ہوئی۔ بولی عائشہ بد نصیب کے قدموں میں گری اور کہا جو تکلیف پہنچی جو اذیت ہوئی جو مصیبت آئی اس کی تلافی ناممکن ہے یہ گلوبند حاضر ہے دروازہ کھلا ہوا ہے کسی طرف نکل جایئے۔ خدا آپ کو صبر کی توفیق دے۔

(۵)

مرشد آباد کی بغاوت فرو کرنے کے لئے جو فوج سعد اللہ خاں وزیر اعظم کے حکم سے روانہ ہوتی ہے اس میں نصیر کا بڑا لڑکا ظہیر بھی شامل ہے صبح کے وقت جب عائشہ نماز سے فارغ ہو کر اٹھی تو ظہیر فوجی لباس میں ماں کے سلام کو جھکا۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کمر پہ پیار کیا اور خدا حافظ کہہ کر منہ پھیر لیا۔ جب ظہیر چلا گیا تو دروازہ تک اس کو دیکھنے آئی۔ پڑھ پڑھ کر اسکے

منہ پر بھونکا اور حیب تک وہ نظر کے سامنے رہا کھڑی اس کو دیکھتی رہی۔ اس کا اوجھل ہونا تھا کہ کلیجے پر گھونسے لگنے لگے اندر آئی۔ قرآن شریف پڑھا مگر دل کی آگ کسی طرح نہ بجھی خاموش بیٹھی تھی کہ نصیر ہنستا ہوا اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں کارچوبی دوپٹہ تھا۔ بیوی کے آگے لاکر رکھا اور کہا۔

"یہ آمنہ ہے تو میری چچازاد بہن مگر بڑی جلتی ہوئی عورت، کمبخت تیرے پاس کھانے کو روٹی نہیں، پہننے کو کپڑا نہیں یہ کارچوبی دوپٹہ جس کے ساتھ کا دوسرا کپڑا نہیں بیٹی کو جہیز میں دے کر کرے گی کیا، بڑی مشکل سے ڈھب پر چڑھی ہے۔ ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ تو تمہارے پاس وہ سنہری والا رکھا ہے۔ اب ایک کرتہ اور رہا اس کی بھی فکر میں ہوں پورا جوڑا ہو جائے گا جہیز میں دیدینا"

عائشہ۔ اللہ میرے حال پر رحم کرو، میرا بچہ ابھی پردیس سدھارا ہے۔ لڑائی کا موقع ہے خدا اسے خیر سے آنا نصیب کرے۔ میرے دل میں ہزاروں وہم آرہے ہیں آمنہ بدنصیب کے پاس میاں کی ساری کمائی میں سے یہ ایک دوپٹہ بچا تھا۔ جس نے اس کو سینت سینت کر بچی کے واسطے رکھا یہ بھی تم کو کھٹکا اور لے آئے۔ مجھے ایسے جہیز کی ضرورت نہیں، گاڑھے اور گزی کے دو مگر کسی کا دل دکھا کر نہ دو۔

نصیر۔ بیوقوف عورت ان ہی نالائقیوں کی وجہ سے ایک ہاتھ کھویا۔ مگر ابھی زندہ موجود ہے دنیا مر رہی ہے مگر تجھ کمبخت کو موت نہیں۔

اتنا کہہ کر نصیر جھینکتا پیٹتا باہر گیا اور عائشہ ڈولی منگوا دو پٹہ لے آمنہ کے ہاں۔ دیکھتی ہے تو آمنہ غریب بیٹھی دہاڑوں رو رہی ہے۔ "پوچھا بوا کیا ہوا"؟

آنکھیں بادل تھیں کہ برس پڑیں اور دل زخم کہ پھوٹ نکلا۔ کہنے لگی "بھابی یہ ایک دوپٹہ رہ گیا تھا۔ آج برس برس بھر سے بھائی نصیر اس کے سر تھے میں نے ہمیشہ ٹالا اور یہی کہا کہ میری بچی بھی تو کوئی غیر نہیں تمہاری ہی ہے بھابی فاقے مجھ پر گذرے پیوند میں تے لگائے مگر یہ دوپٹہ جدا نہ کیا۔ خدا مرنے والے کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ایک ایک پیسہ جوڑ کر دوپٹہ بنایا تھا کہ آج بھائی جان نے آکر کہا کہ تمہارے محلہ میں چوری ہوگئی اور شبہ تم پر ہے کوتوالی چلنا پڑے گا۔ بھلا بھابی جان میری ڈولی کوتوالی کے چبوترہ پر خدا موت دیدیتا اور یہ وقت نہ دکھاتا۔ دوپٹہ دیکر پیچھا چھٹایا۔ خدا تمہاری بچی کو نصیب کرے"

آمنہ کے ساتھ عائشہ کی بھی ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ جب آمنہ داستان غم سُنا چکی تو عائشہ نے دوپٹہ دیا اور کہا بہن یہ تیرا دوپٹہ خدا تجھہ کو نصیب کرے کیا کروں، بہترا سمجھاتی ہوں مگر ان کی سمجھ میں نہیں آتا خدا کا واسطہ آمنہ معاف کیجیو۔ میرا بچہ پردیس گیا ہوا ہے میرے سامنے ہاتھ اٹھا اور خدا سے دُعا کر کہ وہ پھر میرے کلیجے سے آکر لگے۔ لے یہ دوپٹہ اٹھا خدا مبارک کرے۔

آمنہ دوپٹہ دیکھ کر ہنس پڑی ہاتھ اٹھائے اور دونوں نند بھاوجوں نے

خدا کے حضور میں گڑگڑا کر دُعا کی کہ الہ العالمین اپنے حبیب کے طفیل سے ظہیر کو پھر زندہ سلامت گھر آنا نصیب ہو۔

(۶)

یوں تو سیاہ رو نصیر کی زندگی کا ہر واقعہ جگر خراش ہے اس نے جیسے جیسے مظالم دنیا پر توڑے۔ ان کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے رانڈوں کے دل اس نے توڑے۔ یتیموں کی آہ اس نے لی مظلوموں کے دل اس نے دُکھائے لیکن سب سے آخر واقعہ جس نے اس کے کارنامے ختم کئے وہ تھا کہ حقیقی ماموں مرض الموت میں گرفتار ہوا۔ بال بچے سینکڑوں کوس دور تھے۔ بیوی کے پہنچنے سے پہلے حالت خراب ہو گئی۔ جب زندگی کی امید بالکل منقطع ہو گئی تو نصیر کو پاس بُلا کر کہا "یہ دوسو روپیہ کی اشرفیاں اپنے پاس رکھ لو۔ اگر تمہاری ممانی کے آنے سے پہلے میں مر گیا تو یہ امانت ان کے سپرد کر دینا۔ ایک دس سال کا بچہ ان کے ساتھ ہے کچھ اس کی تعلیم و تربیت میں صرف ہو گا۔ کچھ ان کی اپنی ضرورتوں پر" روپیہ عالیشہ کی موجودگی میں نصیر نے لیا اور ہر طرح سے خدمت اور محبت کا یقین دلایا دوپہر کو ماموں نے روپیہ دیا رات کو حالت اور بھی ردی ہو گئی اور صبح کو رخصت ہوئے، تیسرے دن ممانی اور ان کا بچہ آئے تو ان سے ملنے کے بعد پہلا حکم نصیر نے بیوی کو یہ دیا کہ اگر روپیہ کے متعلق ممانی سے ذکر کیا تو گردن اڑا دوں گا۔

دونوں ماں بیٹے الگ اپنے کمرہ میں دن رات پڑے رہتے تھے ماں بیوگی کے صدمہ میں پتھر بن گئی تھی اور بچہ باپ کے ہڑکے میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ نصیر بیٹھا کھانا کھا رہا تھا برف والے نے آواز دی بلایا قلفیاں آپ کھائیں بچوں کو دیں، ماں نے ہر چند منع کیا مگر بچہ بچہ ہی تو تھا نہ رُکا اور نصیر کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اکیس قلفیاں گھر میں اٹھیں مگر سنگدل نصیر کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ قلفی تو درکنار ایک چمچہ بھی یتیم ماموں زاد بھائی کو دے دیتا۔ حسرت نصیب بچہ صاحب ثروت بھائی کا کھڑا منہ تک رہا تھا مگر برف نصیب نہ ہوتی تھی۔

نصیر کھا پی کر چلا گیا تو عائشہ اپنی دو قلفیاں لے کر اٹھی سب سے پہلے ایک قلفی بچہ کو دی۔ برف کیا ایک نعمت تھی ایک دولت تھی ایک سلطنت تھی کہ ہاتھ میں لیتے ہی یتیم مالا مال ہو گیا دوسری قلفی لے کر ممانی کے پاس پہنچی ہر چند انہوں نے انکار کیا مگر اس نے زبردستی کھلا دی اور چلی آئی۔

ممانی کو آئے پانچواں روز تھا کہ نصیر کو ان کا رہنا ناگوار ہوا اور دو نو کی روٹی کھٹکنے لگی۔ پہلے تو اشارے کنایوں سے کہا بیوی سے فہمائش کی کہ اب ان کو چلتا کرو۔ مگر جب کسی طرح کام نہ بنا تو خود ہی اکھیڑ کی باتیں کرنے لگا۔ ممانی بھی آخر بچہ نہ تھیں تیوری پہچان گئیں اور اسباب باندھنا شروع کیا۔ سامان میں ان کو ایک پرچہ ملا جس میں روپیہ کی مفصل کیفیت تھی۔ لیجا کر نصیر کو دیا اور کہا روپیہ دیدو اس نے پرچہ پھاڑ دیا اور کہا خبر نہیں کس کا پرچہ اور کیا لکھا ہوا ہے۔ مجھے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی۔

اس جواب نے بیوہ کی تمام توقعات کا خاتمہ کر دیا آنکھ میں آنسو بھر آئے اور حسرت سے بھانجے کی صورت دیکھی، بچہ کا ہاتھ پکڑا اور اسباب لے

چلنے لگی تو عائشہ نے میاں کو بلوایا اور کہا۔

"پہلا ظلم جس نے آسمان اور زمین دونوں کو کپکپا دیا ہوگا یہ تھا کہ ماموجان کے روپیہ باوجود تحریر کے ہضم کر لئے۔ اب دوسرا ستم یہ ہے کہ حقیقی ممانی اور یتیم بچہ تمہاری دہلیز سے تاراج و برباد ہو کر نکلتے ہیں۔ رانڈ ممانی کی عدّت ابھی پوری نہیں ہوئی کہ تم نکالنے کھڑے ہو گئے ذرا خدا سے ڈرو اشرفیاں ہر وقت ساتھ نہ دیں گی مگر یہ بات ہمیشہ کے واسطے رہے گی۔ بیوہ ممانی ماں سے اور یتیم بھائی اپنے بچہ سے کم نہیں اب بھی کچھ نہیں گیا ان کی اشرفیاں حوالے کرو معصوم کو گود میں اٹھا کر ممانی کے قدموں میں گر پڑو فانی دنیا اچھی اور ابدی زندگی اطمینان سے بسر ہوگی ورنہ لکھ لو کہ یہ صبر ادیر ہی اوپر جانے والا نہیں۔ رانڈ کی آہ کلیجہ توڑ دے گی اور یتیم کا صبر ستیاناس کر دے گا۔

نصیر پر اس گفتگو کا کیا اثر ہوتا۔ پتھر پر جونک نہ لگی۔ ہنسا اور ہنسکر کہا "بس تم ان معاملات کو نہیں سمجھ سکتیں خبردار آئندہ دخل نہ دینا" ممانی بچہ کو لئے اپنی گٹھڑیاں سنبھالے دروازہ میں آئیں۔ اسباب گاڑی میں رکھا، نصیر ملنے بھی نہ آیا اور ختم عدت سے پہلے بیوہ ممانی تھانہ دار بھانجے کے گھر سے نکالی گئی جب دونوں ماں بیٹے گاڑی میں بیٹھ چکے تو عائشہ نے ایک پوٹلی دی اور کہا اس میں اشرفیاں ہیں ہماری خطا اور قصور اپنے بچہ کا صدقہ معاف کر دینا۔

(۷)

دن کے دس بجے ہوں گے کہ شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ تمام فوج جو مرشد آباد گئی تھی کام آئی اور ایک متنفس بھی زندہ نہ بچا۔ اس خبر نے کہاں کہاں بجلی گرائی اس کا علم نہیں مگر عائشہ یہ سنتے ہی کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئی۔ جوان پہلونٹی کا لڑکا جس کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی تھی اور جس کو ایک روز کے واسطے بھی جدا نہ کیا عمر بھر میں پہلی دفعہ چھوٹا اور ہمیشہ کو چھوٹا اس واقعہ نے عائشہ کی کمر توڑ دی۔ اب دنیا کی ہر چیز اس کے واسطے زہر تھی۔ ہنسنا یا بولنا تو درکنار دن رات ساون بھادوں کی جھڑیاں آنکھ سے بہتی تھیں۔ کچھ ایسی حالت ہو گئی تھی کہ دیوانوں کو بھی مات کیا۔ جلتی بھلستی دھوپ میں دوپہر کے وقت لو کے جھکڑوں میں ننگے سر ننگے پاؤں جوش اٹھا کوٹھے پر چڑھ گئی اور دیکھنے لگی کہ کہیں ظہیر نہ آ رہا ہو۔

مثل مشہور ہے جواں کا پوت نہیں وہ ساس کا جنوائی نہیں مطلب یہ ہے جو خدا کا نہیں وہ بندے کا کیا۔ نصیر دو چار چھوٹے بچے شوے ہوا ہو سیدھا ہو گیا مگر عائشہ کی حالت یوماً فیوماً اور لمحہ بہ لمحہ ردی ہوتی گئی بیوی کی اس حالت سے شوہر کا دل جو پہلے ہی بیزار تھا بالکل ہی اُچٹ گیا اور بڑھاپے میں جوان بن نئی دلہن گھر میں لا بٹھائی یہ متواتر دونو صدمے ایسے پڑے کہ عائشہ کو زندگی اجیرن ہو گئی۔ جس گھر میں اب تک حکومت کرتی تھی اب اس میں ماماؤں کی طرح رہتی اور لونڈیوں کی طرح پھرتی عید کے روز صبح کے وقت جب نئی دلہن رنگ برنگ کے کپڑے اور قسم قسم کے زیور نکال اوڑھ پہن

رہی تھی۔ عائشہ اپنے بچہ کی یاد میں ہلکی ہوتی دروازہ میں آ بیٹھی۔ نصیر نہار رہا تھا۔ جب سوکن نے کہا میرے بھرے گھر میں برس کے برس دن رونا کیا خدا کا غضب ہے۔ اور تو کچھ نہیں ایک کمانے والے کا دم باقی ہے یہ نہ ہوگا تو کوئی بات بھی نہ پوچھے گا خدا کا واسطہ ان کو خاموش کرو"

اونگتے کو ٹھیلتے کا بہانہ نصیر غصہ میں لال پیلا باہر نکلا اور کہا:۔

"نامراد عورت اپنے ساتھ دوسروں کی زندگی کیوں برباد کرتی ہے اگر ایسا ہی رونا ہے تو کوٹھری میں بیٹھ کر رو کہ دوسروں کو اذیت نہ ہو۔ کئی دفعہ سمجھا چکا ہوں اگر اب روئی تو گھر سے باہر نکال دوں گا" نکالنے کا نام سن کر ششدر رہ گئی کھڑی ہوئی شوہر کا چہرہ غور سے دیکھا اور اسی حالت میں جو قریب دیوانگی کے تھی کہنے لگی۔

"کیوں نکال دو گے تم خفا ہو گئے تو ابھی میرا دوسرا وارث تو زندہ ہے مگر نہیں ظہیر بھی تو مر گیا۔ اچھا اب نہ روؤنگی"

(۸)

ظل سلطانی شہنشاہ عالم شکار کے واسطے شہر سے باہر ڈیرے ڈالے پڑے ہیں مغرب کی نماز کے بعد تن تنہا باہر نکل کھڑے ہوئے رات چودھویں تھی اور چاند پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا سڑک پر دو عورتیں جاتی دکھائی دیں۔ شہنشاہ والا جاہ آگے بڑھے روکا اور پوچھا کون ہو؟ کہاں جاتی ہو۔ دونوں کے ساتھ دو بچے تھے لرز گئیں پھر جواب دیا

حضور۔ درمست کیفیت سناؤ یہ بے پردگی کیسی اور تنہائی کیوں۔

عورتوں کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے روئیں اور کہا وقت نے گھر سے باہر نکالا، ضرورت نے پردہ توڑا اور مصیبت نے خاک چھنوائی۔

حضور۔ کدھر کا قصد ہے اور کیوں ہے؟ کون ہو اور کدھر سے آئی ہو

عورتیں۔ نصیر الدین تھانہ دار کے ظلم کا شکار۔

اس کے بعد دونوں عورتوں نے باری باری اپنی کہانی سنائی، ایک عبداللہ کی بیوہ بہو اور دوسری قاضی صاحب کی بھتیجی تھی۔

حضور۔ تم دونوں کا کوئی گواہ ہے۔

عورتیں۔ ہمارا گواہ خدا کے سوا جس نے ہماری حالتیں دیکھی ہیں اور کوئی نہیں ہاں اس کی ایک فرشتہ صفت بیوی ہے۔

شہنشاہ والا جاہ دونوں عورتوں کو جو اس غرض سے نکلی تھیں کہ کسی دوسری جگہ جا کر آباد ہوں اپنے ساتھ لے کر دہلی آئے اور حکم دیا کہ نصیر الدین کی بیوی کو حاضر کرو۔ جس صبح کو یہ حکم دیا گیا وہی عبداللہ کے قصاص کی تاریخ قتل تا صدور حکم ثانی ملتوی ہوا۔

(۹)

دربار شاہجہانی گرم تھا۔ اراکین دربار اپنی کرسیوں پر دم بخود بیٹھے تھے کہ سعد اللہ خاں لوٹی عائشہ کو لیکر زمین بوس ہوا اور عرض کیا کہ نصیر الدین کا بیان ہے کہ اس کا دماغ بگڑ گیا اور عقل صحیح نہیں۔

حضور۔ عائشہ! یہ دونوں عورتیں تیرے شوہر کے مظالم کی فریاد لیکر آئی

ہیں اور شہادت میں تجھکو پیش کرتی ہیں جو سوال کیا جائے اس کا جواب دے
تجھکو معلوم ہے کہ انسانی زندگی فانی ہے اور جھوٹی گواہی مسلمان کو بے ایمان
بنادیتی ہے۔

عائشہ۔ شہنشاہ والا قدر کا ارشاد درست و بجا۔ لیکن ایک مسلمان
عورت اپنے شوہر کے خلاف کس طرح شہادت دے سکتی ہے۔ جو اس کا
خدائے مجازی ہے۔

حضور۔ ایمان کے مقابلہ میں شوہر ہو یا باپ ہر چیز ہیچ ہے

عورت۔ مگر مسلمان عورت کا ایمان اس کا شوہر ہے۔

حضور۔ مگر وہ ظالم شوہر جس کے ہاتھوں مخلوق خدا تنگ ہو شیطان
سے بدتر ہے۔

عورت۔ وہ سب کے واسطے شیطان ہو مگر عورت کا شوہر ہی
ہے۔

حضور۔ تو کیا تو شوہر کو ایمان پر ترجیح دے گی۔

عورت۔ تو کیا ایمان مجھکو میدان حشر میں بخشوائے گا۔

حضور۔ اگر ہم وعدہ کریں کہ تیرے شوہر کو کوئی اذیت نہ پہنچے گی تو
مفصل واقعات بیان کرسکتی ہے۔

عورت۔ ایک شرط پر! میری شہادت شرعاً نصف ہے صرف
شہنشاہ کے روبرو بیان کردوں گی۔ تاکہ احکام شرعی کے موافق اس کے
خلاف دو شہادتیں نہ ہونے پائیں" عورتوں کی زبانی منصیرالدین کے مظالم

اور لولی عائشہ کی ہمت وجرأت سب سن چکے تھے خود اس کا ٹولا ہاتھ اس کے صبر و شکر کی پوری گواہی موجود تھا ارکین دربار اس کی گفتار پر مرحبا اور جزاک اللہ کہہ اٹھے شہنشاہ عالم اس کو علیحدہ لے گئے مفصل کیفیت سنی اور کہا۔

اے نیک عورت تو انسان کی صورت میں حور اور بیوی نہیں فرشتہ ہے مگر یہ تیری حالت کیا ہے۔

عورت شہنشاہ والا حشم میں نے اپنے اعمال میں ایک لمحہ کے واسطے کسی کی دل دل آزاری روا نہ رکھی مجھے اپنے خدا سے یقین تھا کہ میرا دل نہ دکھے گا مگر یقین کے خلاف مجھ پر آسمان نے ستم توڑا اے شہنشاہ میرا جوان لال مجھ سے ہمیشہ کو بچھڑ گیا۔ جنگل اور پہاڑ سب ڈھونڈ پھری مگر اس کی صورت نظر نہیں آتی ،، شہنشاہ کے اشارے سے دیوان خاص میں ایک نوجوان آکر عائشہ کے قدموں میں گرا اور کہا: ۔

اماں! تیرا یقین سچا تیری امید درست میں زندہ ہوں ،،

نصیر تھانہ دار موقوف کیا گیا اور لولی عائشہ کی بیس روپیہ ماہوار پنشن مقرر ہوئی۔

سنہ ۱۸ء

اشکِ ندامت

محمد احسن تحصیلدار کے دونوں بچے محسن اور رضیہ تھے تو حقیقی بہن بھائی مگر نہ معلوم احسن کس طبیعت کا باپ تھا کہ اس کی وہی نظر محسن پر پڑتی تو محبت میں ڈوبی اور رضیہ پر پڑتی تو زہر میں بجھی۔ سمجھدار پڑھا لکھا، مگر ظالم کی عقل پر ایسے پتھر پڑے تھے کہ نہ دیکھ کر خوش ہوتا نہ سوچ کر نادم، محسن کی تعلیم پر روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا، مگر رضیہ غریب کو استانی بھی میسر نہ تھی کچھ اس لئے نہیں کہ وہ تعلیم نسواں کا مخالف تھا بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی کمائی میں اس کو حقدار نہ سمجھتا تھا۔ محسن کے پاس جوتی کے آٹھ آٹھ دس دس جوڑے اور رضیہ کے پاس صرف ایک اور وہ بھی مہینوں کی ٹوٹی پھوٹی تو نہیں، مگر ٹوٹی سے بدتر، محسن کے پاس ایک نہیں درجن بھر سوٹ اور رضیہ کے پاس لے دے کے، دو دوپٹے اور لطف یہ کہ جو کچھ بھی رضیہ کو میسر تھا وہ اس کا حق یا باپ کی محبت نہیں صرف اس کا اصرار تھا، ورنہ واقعات تو یہی کہتے ہیں کہ رضیہ کھلے سر اور ننگے پاؤں بھی پھرتی تو احسن کو ملال نہ ہوتا، باپ کی اس لاپرواہی اور بے وفائی پر بھی وقت رضیہ کے ساتھ تھا، صفیہ جہاں شوہر کی اس کمی پر افسوس کر رہی تھی وہاں اس نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمیشہ اس نقصان کی تلافی کی۔ اور جہاں تک بھی

ممکن ہوا اس کی تعلیم و تربیت میں انتہائی کوشش کرتی رہی، رضیہ کی فراست اس کا شوق اس کی سعادت مندی، صبر اور خاموشی ماں کے دل میں گڑی جاتی تھی، وہ اس کے یا اس کے باپ کے سامنے نہیں تنہائی میں اکثر روتی، ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عید کے موقعہ پر اس لئے کہ کچھ عزیز آنے والے تھے، شاموں شام احسن نے بیوی بچوں کے لئے سب سامان منگوایا۔ احسن، محسن، رضیہ، صفیہ، چاروں ایک جگہ بیٹھے تھے، احسن ایک ایک چیز اٹھاتا اور دکھاتا جاتا تھا اور متوقع تھا کہ بیوی اور اس کے بچے اس انتخاب کی داد دیں۔ احسن جس وقت ایک چیز دکھانے کے بعد صفیہ رضیہ اور محسن کی صورت دیکھ کر داد طلب کرتا اس وقت صفیہ اس ڈھیر کو کبھی شوہر کو محض اس امید پہ دیکھتی اور تکتی کہ شاید اس ڈھیر سے یا شوہر کے منہ سے رضیہ کے لئے کوئی چیز یا رضیہ کا نام نکلے، مگر پوری نو چیزیں چار صفیہ اور پانچ محسن کی ختم ہوگئیں، لیکن رضیہ کے نام کی چیز نہ ڈھیری سے نکلی نہ اس کا نام باپ کے منہ سے نکلا۔ محسن نے باپ کی محبت اور کوشش کی داد دل کھول کر دی اور پیٹ بھر کر دی، مگر صفیہ کے سامنے اس وقت ایک اور ہی سماں تھا۔ وہ اوپری دل سے تعریف کرتی ہوئی اٹھی ساتھ ہی خیال آیا، کہ اللہ غنی مسلمان بچیاں جو ماں کی چوکھٹ پر چند روزہ مہمان ہیں بھائیوں کے مقابلہ میں اتنا حق بھی نہیں رکھتیں کہ پانچ کے مقابلہ میں ایک چیز آجاتی، میں جانتی ہوں کہ رضیہ کے پاس سب کچھ ہے اور میں نے حیثیت سے زیادہ اور ضرورت سے بڑھکر اس کا سامان کر لیا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ یہ سب باپ ہی کی کمائی کا ہے لیکن اس کے واسطے اگر ایک چیز

بھی اس وقت آجاتی تو اس کا دل کتنا بڑھ جاتا ۔ باپ اس کی خوشی دو چار روپے میں بھی مول نہ لے سکا، محسن خدا اس کی عمر دراز کرے آگے اور پیچھے آج اور کل مالک اور مختار ہے، لیتا ہے اور دے گا۔ مگر رضیہ کہاں اور یہ گھر کہاں)،

صفیہ شوہر کے پاس سے ایک خفیف سا بخار دل میں لے کر اٹھی تھی، مگر کمرے تک پہنچتے پہنچتے ہلہلا گئی، اور اس خیال کے آتے ہی آنکھوں سے آنسو بھر آئے، جانتی تھی کہ آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے تیر رہے ہیں، اور چاہتی تھی کہ اس حالت کو ظاہر نہ ہونے دے، مگر اس جذبۂ محبت نے جو امتا کی آغوش میں پلا تھا بے قابو کر دیا، اور بچی کی صورت دیکھنے کو منہ پھیرا اور ایک ساکت مجسمہ تھا جو رضیہ کی صورت میں گم سم باپ کے سامنے بیٹھا زمین کو دیکھ رہا تھا، ماں نے بچی کی خاموش صورت دیکھ کر اس کے دل کی کتاب پڑھی اور ٹھنڈا سانس بھر کر آگے بڑھی، احسن بیوی کا یہ رنگ دیکھ کر حیرت میں ادھر آیا اور کہنے لگا، بس وہی ایک پیٹنا کہ رضیہ کا کچھ نہ آیا، اس کے پاس سب کچھ موجود ہے

بیوی ۔ موجود تو محسن کے پاس بھی ہے ۔

میاں :۔ محسن کی اس کی کیا برابری!

بیوی :۔ کیوں؟

میاں :۔ وہ گھر کا مالک یہ پرایا دھن ۔

بیوی . . . .

میاں :۔ اس کے علاوہ کواری بچی کو جو مل گیا وہ غنیمت ہے ۔

(۲)

محسن بی اے میں کامیاب ہوا تو رضیہ دسوں انگلیاں دسوں چراغ تھی، اور ایک یہی کیا ماں کی توجہ اور کوشش نے نسوانیت کے تمام جواہر اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دیئے تھے، دونوں بہن بھائیوں کی شادی ساتھ ساتھ ٹھیری مگر اس احتمال سے کہ موروثی جائداد اور رضیہ کی وساطت سے پرائے قبضہ میں نہ جائے احسن نے اس کے نکاح سے قبل قریب قریب تمام جائداد وقف علی الاولاد کی آڑ میں محسن کے حوالہ کی اور رضیہ کو محروم کردیا، صفیہ نے بہتیرا غل مچادیا، مگر یہ تو بڑا کام تھا، چھوٹی چھوٹی باتوں میں مسلمان بیویوں کی مخالفت کا شوہروں کے مقابلہ میں جو نتیجہ ہو سکتا ہے، مسلمان اس راز سے اچھی طرح آشنا ہیں۔ صفیہ کو بڑا صدمہ یہ تھا کہ اس کی اپنی جائداد بھی جو میکے سے ملی تھی اسی سلسلہ میں فنا ہو رہی تھی،

مسلمان قلم کی طاقت اور اپنی زبان کے زور سے جھٹلائیں، مگر ہے کوئی مسلمان جو ایمان سے یہ کہہ سکے کہ بچوں والی بیوی، اور بہو اور داماد والی یا ہونے والی شوہر کی اتنی مخالفت کے بعد ایسی دستاویز پر دستخط نہ کرے اس کے گھر میں خوش نہ رہ سکتی ہے، احسن کے پنجرے میں رضیہ ہر چند پھڑپھڑائی ما معاشرت اسلامی کا موجودہ لاسہ اتنا تیز اور اتنا گہرا تھا کہ قلبی تڑپ اتنی ہی چپکی گھر میں ہفتہ بھر قیامت بپا رہی اور اس کے بعد احسن نے اندر کی آمد و رفت قطعًا بند کردی، صفیہ برس چھ مہینے کی بیاہی نہ تھی بیس بائیس برس کی گھر بنن، نہایت ہی استقلال سے شوہر کا مقابلہ کیا۔ اس حالت اور ایسے موقعوں پر مسلمان مردوں کے

پاس نکاح ثانی کا حربہ چلتا ہوا ہتھیار ہے، مگر صفیہ اس کو بھی خاطر میں نہ لائی اور میاں سے صاف کہدیا کہ گھر اگر موم روغن کا ہے کہ دہوپ سے پگھلے اور پانی سے بہے، تو میں کہاں تک روکوں گی۔ بسم اللہ آج نہ کیا کل اور کل نہ کیا پرسوں۔

مطالبہ حقوق نسواں کو لغو اور فتنہ قرار دینے والے مسلمان جو کچھ فرمائیں ہمارے سر اور آنکھوں پر، مگر خدارا بتائیں کہ اس موقعہ پر جب احسن نے ہر طرف سے ناکام ہوکر فیصلہ کیا کہ وہ رضیہ کے نکاح ہی کا خاتمہ کردے اور تمام عمر بیٹی کو وداع نہ کرے۔ تو صفیہ کیا کرتی، اس فیصلہ نے صفیہ کی گردن شوہر کے سامنے جھکوادی، اس کی خودداری اس کا استقلال اس کا ضبط سب فنا ہوگئے، اور اب جائداد اور جائداد کی تقسیم تو الگ رہی اس کو نکاح ہی کے لالے پڑ گئے اور یہ سوچکر کہ میری وجہ سے غریب بچی کی عمر تباہ برباد ہوتی ہے اس نے کاغذ پر دستخط کئے، اور اس طرح رضیہ ماں کی جائداد سے محروم وداع ہوکر سسرال رخصت ہوئی۔

(۳)

محسن بی اے کے بعد قانون میں کامیاب ہوا، رضیہ ایک بچہ کی ماں بنی صفیہ حج سے فارغ ہوئی، احسن پر فالج گرا اور وہ ہلنے کے قابل بھی نہ رہا، اس وقت گھر کا مالک اور سپید و سیاہ کا مختار جائداد کا منتظم محسن تھا اور گو آمدنی معقول تھی مگر اللے تللوں نے مقروض کیا، اور نوبت یہاں تک آئی کہ جس گھر میں دس پانچ ہزار روپیہ ہر وقت موجود رہتا تھا، اس میں سو پچاس بھی مشکل سے نکل سکتے تھے صفیہ کی دور اندیشی تھی کہ کچھ روپیہ اپنے پاس لگا رکھا تھا۔ باقی زیور سے مدد لی اور حج کر لیا۔ واپس آئی تو محسن کا یہ رنگ دیکھ کر سناٹے میں رہ گئی،

مگر جو لڑکا زندہ باپ کو مردہ سمجھ رہا تھا وہ ماں کو کیا خاطر میں لاتا، محسن کی بعض دفعہ پریشانیاں اور پریشانیاں نہیں فضول خرچیاں ماں کو سخت خلجان میں ڈال دیتیں، اور وہ اب یہ سمجھ گئی تھی کہ عنقریب یہ مجھ سے روپیہ طلب کرتا ہے اس لئے گھر کی برابر والی مسجد کی تعمیر اس کے واسطے بہت اچھا موقعہ تھا، اس نے فوراً شوہر کے کان میں بات ڈال کر جو کچھ زیور بچا تھا مسجد کی نذر کیا، مگر یہ خبر احسن اور صفیہ دونوں میں سے ایک کو بھی نہ تھی کہ فالج کا دورہ ایسا سخت ہوگا۔ اور سنگ دل محسن، عاشق زار باپ کو کتے کے ٹھیکرے میں پانی پلا دے گا، صفیہ کے پاس ابھی تھوڑی بہت کھرچن موجود تھی اس کے طفیل اتنا تھا کہ معمولی علاج جاری رہا، ڈاکٹر حکیموں کی فیس نکل رہی تھی اور نسخہ بھی آ رہے تھے، ورنہ محسن نے ایک دن کو کیا ایک گھڑی بلکہ ایک لمحہ کو بھی نہ پوچھا کہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ جب متواتر باپ نے بلایا تو کھڑے کھڑے آیا اور ایک آدھ بات کی اور چلتا ہوا۔

احسن کے پندرہ روز اسی طرح گذرے، اُٹھ سکتا تھا اور نہ بیٹھ سکتا اس موقعہ پر صفیہ نے ایسی خدمت کی جو شریف بیویوں سے توقع کی جا سکتی ہے، اسکو سوا رونے کے اور کوئی کام نہ تھا، رات بھر اور دن دن بھر پٹی پکڑے بیٹھی رہی، اس کی نیند اور بھوک دونوں اڑ چکی تھیں اور اسی کا صدقہ تھا کہ حکیم ڈاکٹر آ رہے تھے اور علاج ہو رہا تھا۔ بالآخر ڈاکٹر نے بجلی کا علاج تجویز کیا، جس کا تخمینہ چار ہزار روپے کے قریب تھا، احسن اور صفیہ دونوں کو یہ شبہ بھی نہ تھا کہ محسن باپ ہی کا روپیہ جس کی بدولت وہ نواب بنا پھر رہا تھا،

باپ کی زندگی اور راحت سے عزیز کرے گا۔

صبح سے بلاتے بلاتے شام ہو گئی۔ دنیا بھر آئی مگر محسن نہ آیا۔ خدا خدا کر کے شام کو لوٹا تو باپ نے اپنے منہ سے ساری کیفیت سنائی اور چار ہزار روپے مانگے بے وفا مسکرا کر اٹھا اور بغیر جواب دیئے چلا تو ماں پیچھے گئی اور کہا: ۔

"میاں پھر بجلی کے علاج کا انتظام کرو"،

ایک ایسی نظر جس میں تعجب اور غصہ دونوں شامل تھے، محسن نے ماں کو دیکھ کر کہا تمہاری تو عقل جاتی رہی ہے اول تو روپیہ ہی نہیں ہے اور اگر ہوتا بھی تو علاج فضول ہے، میں نے معلوم کر لیا کہ موت یقینی ہے، اگر کچھ روز کو بچ گئے تو اور سوہان روح ہوں گے ۔

صفیہ کا قدم آگے نہ اٹھ سکا، وہم ہو گئی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔ اس کو تو کچھ نہ کہہ سکی مگر اپنے دل میں کہا کہ ایسے ناہنجار لڑکے کی ماں زمین شق ہو اور سما جائے، اب میں جا کر کیا جواب دوں کھڑی سوچ رہی تھی کہ رضیہ کا خط ملا ۔

"اماں جان جب سے ابا جان کی بیماری اور ان کی کیفیت سنی ہے دل ہوا ہو رہا ہے ۔

ہائے میرے ابا جان کو کیا ہو گیا، میں تو بھلا چنگا چھوڑ کر آئی تھی ۔ مجھ بدنصیب کو تو ابھی معلوم ہوا ہے، اے اللہ کیا کروں، ڈپٹی صاحب کچہری میں ہیں ۔ جس طرح ہو گا آج ہی رات کو یا کل فجر حاضر ہوں گی ۔ میرے آنے کا ذکر نہ کیجئے خفا ہوں گے ۔ میں سامنے نہ جاؤں گی، دور ہی سے شکل دیکھ

لوں گی۔ اچھی اماں جان علاج میں کمی نہ کرنا،،

(۴)

رضیہ علی الصباح میکے پہنچی باپ کی حالت اور مفصل کیفیت سن کر الٹے پاؤں واپس گئی، رات کے دس بجے تھے احسن یہ سُن کر کہ محسن نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا، انگاروں پر مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ مگر مجبور تھا کہ ہلنے کی طاقت نہ تھی اور کوئی دم کا مہمان تھا۔ آنکھیں بند تھیں کہ ایک ہاتھ نے اس کا مفلوج ہاتھ اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگایا احسن نے آنکھ کھولی تو دیکھا رضیہ سامنے کھڑی ہے اور آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں، وہ یہ سمجھ کر کہ باپ کو میری صورت سے تکلیف نہ ہو، ہاتھ جوڑتی ہوئی پیچھے ہٹنے لگی، تو صفیہ نے کہا

" رضیہ یہ چار ہزار روپے لائی ہے اور کہتی ہے کہ میں نے جو پانچ ہزار روپے اس کو نقد دیئے تھے اس میں سے یہ لے لیجئے اور علاج کیجئے،،

جس رضیہ کی صورت سے باپ کو نفرت تھی۔ جس پر ایک پیسہ بھی صرف کرنا گراں تھا۔ اس کا سر اس وقت باپ کے قدموں میں تھا۔ اور زبان سے یہ لفظ نکل رہے تھے۔

" ابا جان یہ آپ ہی کا روپیہ ہے میرا نہیں ہے،،

آج احسن کو معلوم ہوا کہ بھولی بھالی بچیاں کیا چیز ہیں۔ اس نے بچی کو ملا کر اپنے سینہ سے لگایا اور آنکھ سے ندامت کے آنسو جاری ہوگئے

۲۳ ۶ ء

بہن کی محبّت

کیسے خوش نصیب تھے وہ لوگ جن کی ولادت پر زمانہ نے رنگ رلیاں منائیں۔ بچپن گلہائے رنگین کے گجرے ہاتھوں میں لئے آگے بڑھا۔ جوانی سدا بہار پھولوں سے آراستہ و پیراستہ پاؤں چومنے آئی۔ دنیا نے سر پر تاج شاہی رکھے۔ زندگی نے ان کو خلعت جاودانی پہنائے اور موت نے ان کی شہرت کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجا دیا۔

عزیزو! انصاف کی آنکھ سے دیکھنا اور داد دینا بیسویں صدی عیسوی نے گھنٹے کی سوئیاں چار سو برس پیچھے ہٹا دیں ہندوستان ترقی جدیدہ سے قطعی ناآشنا ہے تار بجلی ہوا پانی قبضۂ انسانی سے باہر ہیں۔ شاہی محلسرا میں بھی دو کوڑی کا لال یعنی مٹی کا چراغ جل رہا ہے۔ مگر اطمینان کا مینہ خلق خدا کے چہرے پر برس رہا ہے اور اپنی حالت میں مگن رہنے والے وطن پرست روکھی سوکھی روٹی کو پلاؤ کی رکابی سمجھ رہے ہیں۔

بہار کا موسم در و دیوار سے ٹپک رہا ہے زندگی بہشت اور زندگی والے فلک ہفتم کی سیر کر رہے ہیں فارغ البالی ان کے سروں پر جنور کر رہی ہے۔ اور بے فکری ان کی اطمینان کی قسم کھا رہی ہے۔

خلوص کا فرشتہ بآواز بلند پکار رہا ہے کہ دنیا والو چشم تامل سے دیکھ لو یہ تعلقات خواب و خیال ہو جائیں گے زمانہ سرعت کے پردں سے اڑا جا

رہا ہے اور بھا گا آ رہا ہے وہ وقت جب آنکھ اور کان اس منظر کو ترس جائیں گے۔

بیسویں صدی کے بسنے والو! دیکھو دیکھو! غور سے دیکھو! ان آنکھوں کو دیکھو محبت کے سرمہ سے رنگین ہیں! ان دلوں کو دیکھو! صفائی کے پھول مہک رہے ہیں۔

دوست وضع کے پابند۔ عزیز عزیزوں کے شیدا بھائی بھائی کے عاشق۔ بہنیں بہنوں کی فریفتہ۔

ہر زمانہ کا لٹریچر اس وقت کے طرز تمدن کا آئینہ ہوتا ہے۔ ان دنوں کے بھائی بہن دیکھو۔ ان لوگوں کی باتیں سنو دل خون کے آنسو روئے گا اور یہ لوگ نظر نہ آئیں گے۔

بھائی کے ہاں بچہ ہوا بہن پردیس سے دوڑی آئی، خوشی کے مارے باغ باغ ہے اور کس محبت سے کہہ رہی ہے۔

"بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی"

آج بہنیں اور بھائی سب ہیں مگر یہ آوازیں کان میں نہیں آتیں۔ کیسا تھا وہ تمدن کہ بہن بھائیوں کے حق ان کا نیگ جوگ سب سے مقدم تھا۔ لڑتی تھیں اور لیتی تھیں۔ جھگڑتی تھیں اور پاتی تھیں۔ گوندنی کی طرح سونے جھومنے میں لدے والیاں بیبیوں پر ہاتھ پھیلا رہی ہیں۔ اُن دینے والوں کو دیکھو خوشامد کر رہے ہیں اور دے رہے ہیں۔ حیات انسانی ان دلوں پر زر و جواہر تصدق کر رہی ہے۔ زمانہ نے عالم موجودات کے ہر عیش کو گرویدہ بنا دیا۔ حقیقی مسرت کی دیویاں

انکے آگے دست بستہ کھڑی ہیں اور آسمان ان پر فرحت و انبساط کے پھول برسا رہا ہے۔

فلسفۂ محبت کا اصلی راز یوں کھلتا ہے۔ کہتی ہے۔

بیں بھتیجا سن کر آئی

بیرن بھیا میں تیری ماں کی جائی

یہ سنکر کہ خدا نے یہ دن دکھایا کہ بھائی کے ہاں لال ہوا۔ دل قابو میں نہ رہا اس خوشی میں شریک ہونے کو اتنی دور سے آئی!

واہ محبت کے پتلو تم ہم کو انسانیت کے معنی بتا گئے اور مر کر ایسے گراں بہا لال چھوڑے جو ایک عالم کو جگمگا رہے ہیں۔

دعا ملاحظہ ہو کس دل سے نکلی ہے ایسے دل سے جو موتی کی طرح چمکتا اور کندن کی طرح دمکتا تھا جو کھوٹ سے پاک اور خود غرضی سے صاف تھا۔

باگوں میں جیسے آم پھلے رے

ایسے پھلے مورا بھائی

اے عصمت کی دیوی! تیرے پہلو میں وہ دل ہے کہ آنے والی نسلیں اس کو تڑپیں گی اور نہ پائیں گی۔ باپ بھائی کی لاج رکھنے والی بیٹی دنیا کتنے ہی پلٹے کھائے مگر تیرا اخلوص صفحۂ ہستی سے فراموش نہ ہوگا۔

موت تجھکو ظاہری آنکھوں سے اوجھل کردے لیکن اس وقت بھی جب زمانہ نئے نئے رنگ بدل کر انوکھے سانچے ڈہالے گا تحقیق تیرے قدرداں پیدا کریگی اور چشم بینا ونعمت کا چراغ لیکر تجھ کو ڈہونڈے گی اور تمدن جدید کے فدائی تیری قبر پر سدا بہار پھول چڑہائیں گے ۔۔

۱۳ [illegible]

کل شہنشاہ افغانستان یونیورسٹی میں تشریف لائے [illegible] میں [illegible] کو [illegible] بنایا گیا۔ [illegible] 12.11.58

علامہ راشد الخیری مدظلہ کے مختصر افسانوں کے مجموعے

جوہر عصمت ۱۳ سبق آموز افسانے (۱) مظلوم بیوی کا پاک جذبہ عرفان ایک شریف اور معزز خاندان کا شخص بُری صحبتوں کی وجہ سے لاکھ کا گھر خاک کرکے جیل خانے پہنچنے والا ہوتا ہے کہ مظلوم بیوی کی کوششوں سے اس طرح رہائی حاصل کرتا ہے کہ پڑھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں (۲) بھنور کی دلہن۔ بلوچی قوم کے مرد عورت کے عمیق کیرکٹر ازدواج ثانی پر نہایت مؤثر بحث، محبت کا جواب اور انتقام بے انتہا دلآویز افسانہ (۳) اگلی محبتیں ہزاروں برس پہلے کے تمدن کا ایک دلچسپ مرقع شجاعت، جاں نثاری، دوستی وفاداری اور سچی محبت کے حیرت انگیز مناظر (۴) افسانہ تنویر۔ ملکہ تنویر کی درد و غم بھری کہانی (۵) بیگناہ کا قتل محبت کی چوکھٹ پر کسان لڑکی کی قربانی (۶) بھاوج کا کینہ۔ دولت و عصمت کا مقابلہ (۷) مامون الرشید کا دربار اور ایک سچی عورت (۸) عدل جہانگیری، شہنشاہ جہانگیر کا انصاف (۹) بلبل کی شہادت (۱۰) ملکہ شہرزاد۔ شہزادی کا عصمت کی کسوٹی پر پورا اترنا (۱۱) برقع کی مستحق۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے (۱۲) غلط فہمی (۱۳) خاتمہ بالخیر۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ) چھٹا اڈیشن

سیلاب اشک باتصویر ۷ دردانگیز افسانے (۱) پرستار محبت، عورت کا دل وفا اور محبت کے خزائن سے مالامال ہے یہ سبق آموز افسانہ جو کٹر سے کٹر انسان کی آنکھیں نمناک کردے گا اس کا ثبوت ہے اور بے انتہا مقبول ہوا ہے۔ (۲) ایک خوددار لڑکی وفاداری اور انتقام اور احسان کے جوہر دکھا کر محو حیرت کردیتی ہے (۳) طلاق کا سفید بال، میاں بیوی کے تعلقات کیا چیز ہیں خودداری و ایثار کسے کہتے ہیں۔ ضمیر و ایمان کیا کام کرتا ہے اس دردانگیز افسانے سے معلوم ہوگا جس نے کتنے ہی گھر تباہی سے بچا ڈالے (۴) حج اکبر جس سے معلوم ہوگا کہ ماں کا دل کیسی محبت سے لبریز ہوتا ہے اور سچی خوشی کسے کہتے ہیں (۵) عدل گلبدن، شہنشاہ بابر کی لخت جگر شہزادی گلبدن بیگم کی شجاعت عدل و کرم احسان و عطا کے حیرت انگیز کارنامے (۶) بے قصور بچی بے انتہا مؤثر افسانہ (۷) ثریا کا تخیل۔ ہر افسانہ کے ساتھ زر کثیر صرف کرکے فوٹو بلاک کی تصاویر لگائی گئی ہیں عہ

طوفان اشک یعنی رواج کی چوکھٹ پر مظلوم عورتوں کی قربانیاں۔ وہ مؤثر اور سبق آموز کتاب جس میں یہ ۱۲ دل ہلا دینے والی کہانیاں ہیں۔ رواج کی بھینٹ، محروم وراثت، اس ہاتھ دے، میں نے کیا دیکھا، کلنگ کا ٹیکہ، سوتیلی ماں کا آخر وقت، تفسیر عبادت، شہید معاشرت، بیوی کی صحنک، توصیف کا خواب، نئی دلہن، طوفان اشک قیمت صرف عہ رنیٹ ملا؛ - **منیجر عصمت دہلی**

فخرِ نسوانِ ہند محترمہ خاتون اکرم جنّت مکانی کی یادگار میں

جوہرِ نسواں دہلی

زنانہ دستکاری کا ماہوار رسالہ ستمبر سنہ ۱۹۳۴ء سے شائع ہو رہا ہے

دفترِ عصمت دہلی کے اس نئے ماہوار رسالہ میں کشیدہ۔ کروشیا۔ جالی۔ تارکشی۔ کارپٹ۔ کینوس۔ کراس اسٹیچ۔ سلمہ ستارہ۔ ربن پٹی۔ کٹاؤ اور کپڑوں کی سلائی کٹائی وغیرہ وغیرہ مختلف قسم کی زنانہ دستکاریوں کے عمدہ عمدہ نمونے اور مفصل ترکیبیں اور کارآمد ہدایتیں شائع ہوتی ہیں جوہرِ نسواں کے مضامین پھوہڑ لڑکیوں کو بھی سگھڑ اور ہنرمند بنا دینگے سینکڑوں خواتین نے اس رسالہ کی تعریف میں خطوط لکھ کر شکریہ ادا کیا ہے۔ اور اخبارات و رسائل نے شاندار ریویو کئے ہیں۔ ہندوستان بھر میں اس طرز کا زنانہ پرچہ آج تک نہیں نکلا۔ جوہرِ نسواں کی قلمی معاونین ہندوستان کی مشہور خواتین ہیں۔

اڈیٹرز (۱) محترمہ خدیجہ بائی ؔ مؤلفہ سلمہ ستارہ کا کام (۲) محترمہ غدیر فاطمہ۔ مؤلفہ گلدستۂ کشیدہ۔ (۳) محترمہ آمنہ نازلی۔ مؤلفہ موتیوں کا کام۔

ٹائیٹل نہایت خوبصورت کاغذ سفید چکنا دبیز۔ لکھائی چھپائی۔ مصوری اعلیٰ درجہ کی۔

سالانہ چندہ۔ مع محصول دو روپے آٹھ آنے بذریعہ منی آرڈر صرف عہ/ ۲

منیجر جوہرِ نسواں دفترِ عصمت دہلی

دفترِ عصمت دہلی کی سنہ ۳۳ و ۳۴ء کی مطبوعات

سنگھار خانہ	عہ	دامن باغباں	عہ/	زنالبتہ	عہ/	شہید وفا	عہ/
سوئی کا کام	عہ	آئینہ جمال	۱۲/	جاں باز	۱۲/	خانہ داری کے تجربے	۱۲/
سلمہ ستارہ کا کام	عہ/	فرید ار کہانیاں	۵/	افسانہ حرم	۸/	مفید نسواں	۸/
روحانی شادی	۶/	جاپانی کہانیاں		پردہ تعلیم	۱۲/	نغمات موت	۶/

(مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

مصنفہ حضرت علامہ راشد الخیری کی تصانیف

لڑکیوں اور عورتوں کیلئے بے مثل کتابیں

آمنہ کالال	۸؍	قلب حزیں	۱۰؍
سیدہ کالال	۱؍۴	گلدستۂ عید	۸؍
الزہرا	۱۴؍	روداد قفس	۱۲؍
امت کی مائیں	۱۲؍	گرفتار قفس	۴؍
دو اپنا خاتون	۹؍	تفسیر عصمت	۵؍
صبح زندگی	۱؍۲	انگوٹھی کا راز	۸؍
شام زندگی	۸؍	منازل ترقی	۴؍
شب زندگی	۱۲؍	جوہر عصمت	۱؍۲
نوحۂ زندگی	۱۲؍	سیلاب اشک	۱؍۲
بنواتی زندگی	۸؍	طوفان اشک	۸؍
حیات صالحہ	۱؍۲	نانی عشو	۱۰؍
طوفان حیات	۸؍	ولایتی نخی	۶؍
جوہر قدامت	۱؍۴	منازل السائرہ	۱۲؍
منہ شیطانی	۱۲؍	بنت الوقت	۸؍
سودہ	۸؍	[illegible]	۳؍
ستونتی	۴؍	بچہ کا کرتہ	۴؍
عرب کی شہزادیاں	۱۲؍	وینا کی سرگذشت	۴؍
وداع ظفر	۱؍۲	فسانۂ سعید	۸؍

اسلامی تاریخ ناول کی طرز پر

عروس کربلا	۱؍۴	تیغ کمان	۱؍۲
محبوب خداوند	۱۲؍	اندلس کی شہزادی	۸؍
یاسمین شام	۱؍۲	سودائے نقد	۵؍
شہنشاہ کا فیصلہ	۴؍	شہید مغرب	۸؍
مظفر الیس	۵؍	سات روحوں کا اعمالنامہ	۸؍
دُرِّ شہوار	۵؍	محصول ڈاک بذمہ خریدار	

شریف بیگمات کیلئے اعلیٰ درجہ کی کتابیں

کھانے پکانے کی کتابیں

جن کی تیاری میں ہندوستان کے ہر حصہ کی قریباً ۱۵۰ معزز خواتین نے حصہ لیا ہے جن کی تمام ترکیبیں تجربہ کرلی گئی ہیں اور جن سے زیادہ مستند اور صحیح مفصل و مکمل کوئی کتاب آجتک ہندوستان میں نہیں چھپی

عصمتی دسترخوان ۱۲؍	مشرقی مغربی کھانے ۱۲؍	بچوں کے کھانے ۸؍
بیماروں کے کھانے ۱۰؍	عصمتی ہنڈکلیا ۸؍	مذاقیہ کھانے ۴؍ ناشتہ ۱۰؍

دستکاری کی کتابیں

جو اپنے موضوع پر نہایت مفید اور کارآمد کتابیں تسلیم کی گئی ہیں

عصمتی کروشیا ۱؍۲	عصمتی کشیدہ ۸؍	گلدستۂ کشیدہ ۱؍۲
موتیوں کا کام ۸؍	سلمہ ستارہ کا کام	خاتونوں کی دستکاریاں

تصانیف فخر نسوان ہند محترمہ خاتون اکرم مرحومہ

جو نادر لٹریچر کی چوٹی کی کتابیں ہیں جن پر ملک کے مشہور اخبارات و رسائل نے نہایت شاندار ریویو کئے ہیں اور جن کے بغیر کوئی زنانہ کتب خانہ مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ اب تک ذیل کی کتابیں چھپ چکی ہیں۔

جمال ہمنشیں ۸؍	گلستان خاتون ۱؍۲	پیکر وفا ۸؍	[illegible] ۶؍

معزز خواتین کے لکھے ہوئے

دلچسپ اور سبق آموز اصلاحی و معاشرتی ناول افسانے وغیرہ جن میں لڑکیوں اور عورتوں کو نہایت مفید باتیں بتائی گئی ہیں۔

انوری بیگم	۱؍۴	دولت پر قربانیاں	۸؍	ہنسی کی باتیں	۸؍
شیر نسواں	۱؍۴	خواتین اندلس	۹؍	تاریخی لطیفے	۸؍
سرگذشت ہاجرہ	۱۰؍	تندرستی اور نظافت	۴؍	بچوں کی تربیت	۱؍
موہنی	۱۰؍	شمع خاموش	۹؍	بچوں کی [illegible]	۶؍
غیرت کی پتلی	۶؍	تحریر النسا	۱۲؍	[illegible]	۵؍
چاند رخ	۴؍	عقل کی باتیں	۸؍	آئینہ موتی	۱؍۲

محصول ڈاک بذمہ خریدار — ملنے کا پتہ: منیجر رسالہ عصمت دہلی — محصول ڈاک بذمہ خریدار

Mahboob-ul-Matabi, Delhi.